

انشائے غالب

مرتب
رشید حسن خاں

ادارۂ یادگار غالب کراچی

انشائے غالب

مرتب
رشید حسن خاں

ادارۂ یادگار غالب
کراچی

سلسلہ مطبوعات ادارہ یادگار غالب

نمبر : ۳۱

نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ

پبلشنگ پاکستانی رائٹرز یونین : ۲۰۰۱ء

طابع : احمد یارو، ناظم آباد کراچی

تعداد : پانچ سو

قیمت : ایک سو پچاس روپے



ادارہ یادگار غالب

پوسٹ بکس نمبر: ۲۲۶۸

ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

غالب لائبریری

دوسری چوڑی، ناظم آباد

کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست

۵	عرض مرتب
۵۱	مقدمہ مالک رام
۶۳	متمن انشائے غالب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی
۹۵	خواشی ڈاکٹر عبدالستار صدیقی
۱۲۹	خواشی مالک رام
۱۴۷	غالب کے مرتبہ غلطی نیچے کا عکس

عرضِ مرتب

رشید حسن خاں

عرض مرتب

مرزا غالب کے کلام نظم و نثر پر مشتمل یہ ایک مختصر سی کتاب ہے، جسے ”مفتاحے غالب“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ انتخابی مجموعہ کئی لحاظ سے توجہ طلب ہے۔ اس کی ایک اہمیت تو یہ ہے کہ یہ خود مرزا غالب کا مرتب کیا ہوا ہے۔ یہ اہمیت بھی ہے کہ زمانی ترتیب کے لحاظ سے ”یہ خلوط غالب کا سب سے پہلا مجموعہ ہے“ (۱) اور یہ بھی کہ کلام غالب کے بعض اجزاء کے لیے اس کی حیثیت واحد ماخذ کی، یا پھر اولین ماخذ کی ہے (۲)۔ مرزا صاحب نے اس انتخابی مجموعے کی تمہیدی عبارت میں لکھا ہے:

”یہ کتاب جو دو باب کی ہے، حقیقت یہ اس کتاب کی ہے کہ پہلے باب میں دو دیباچے اور کئی لطیفے اور کئی مکتوب ہیں۔ اگر میرے گلے ہوئے نہ ہوتے تو میں کہتا کہ بہت خوب ہیں۔ دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام اسی خاکسار کا ہے۔ اگر کوئی خط اردو زبان میں لکھا جائے، اُن اشعار میں سے شعر نکل و مقام کے مناسب درج کیا جائے۔“

یہ تو بولی حقیقت اس کتاب کی۔ اس کی وجہ ترتیب کیا تھی؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر مولوی ضیاء الدین خاں دہلوی کا نام سامنے آتا ہے، جو مرزا غالب کے ہم عصر تھے، جنہوں نے ”انکشافے اردو“ کے نام سے ایک مجموعہ حکومت کے ایما پر مرتب کیا تھا؛ مرزا غالب کا زیر بحث انتخابی مجموعہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مولوی صاحب کا مرتب کیا ہوا مجموعہ میں نے نہیں دیکھا، مگر رام

صاحب نے دیکھا تھا۔ میں انہی کی مختلف مہارت کے ضروری اجزاء کو منتقل کرتا ہوں۔
 "۱۸۶۶ء میں حکومت کی طرف سے مولوی ضیاء اللہ بن خاں کو
 ایسا ہوا کہ وہ اردو کا ہیما نصاب مرتب کریں جو نوادار و فنی انصروں کو اردو
 پڑھانے کے لیے سوزوں ہو۔ اس پر انہوں نے مختلف نثر نگاروں کی
 تقریروں سے مضامین منتخب کیے اور غالب سے درخواست کی کہ وہ اپنے
 چند خطوط اور کچھ نثر عبارت کریں کہ انہیں مجوزہ نصاب میں شامل کیا
 جاسکے۔ اس پر غالب نے یہ زیر نظر مجموعہ (انتساب غالب) مرتب کیا
 --- انہوں نے یہ کتابچہ کاتب سے خوش دیا دکھوایا اور نظر ثانی کے بعد
 اسے مولوی ضیاء اللہ بن خاں کے حوالے کر دیا۔ --- یہی غالب بھروسہ خطی
 نسخہ مولوی ضیاء اللہ بن خاں نے اپنی "انتساب اردو" کے لیے مسودے کے
 طور پر استعمال کیا تھا اور اسی سے کاتب نے کتابت کی تھی۔۔۔ مولوی
 صاحب موصوف نے خطوں کی مہارت میں حسب خطا تبدیلی کرتی تھی۔
 بعض الفاظ کاٹ دیے، کچھ بدل ڈالے، بعض جگہ سطروں کی سطریں
 خارج کر دیں۔"

وجہ تالیف کے سلسلے میں مالک رام صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس سے واضح طور پر یہ
 معلوم ہوتا ہے کہ مولوی ضیاء اللہ بن خاں کی فرمائش کے نتیجے میں غالب نے اس انتخاب کو مرتب کیا
 تھا۔ میں یہ بات پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مولوی صاحب کی مرتب کی ہوئی نصابی کتاب "انتساب
 اردو" میں نے نہیں دیکھی۔ مجھے جیسے معلوم کہ مولوی صاحب نے اس کے دیباچے میں اس سلسلے
 میں کیا لکھا ہے۔ اگر وہاں کچھ مرقوم نہیں، تو پھر سوال یہ پیدا ہو گا کہ اس سلسلے میں کون پالا عبارت
 میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کہاں سے ماخوذ ہے؟ (۳)

سب سے بڑا کہ یہ سوال سامنے آتا ہے کہ مولوی صاحب نے اگر مرزا صاحب سے

محض سڑکی فرمائش کی تھی، تو پھر مرزا صاحب نے یہ طریقہ کیوں اختیار کیا کہ سڑک اور نظم دونوں پر مشتمل باقاعدہ ایک کتاب مرتب کی، اس پر مقدمہ لکھا، اور مقدمے میں یہ بھی لکھا:

”یہ مجموعہ دس جناب رفعت مآب کی ہے جس سے عزت و توقیر کا نخل کشتری پنجاب کی۔۔۔ حضرت ملک رفعت ملک و صاحب

بہادر۔“

یہی نہیں، یہ بھی لکھا:

”نہیں یہ کتاب اگر ان کے حکم سے چھاپی جائے گی تو صاحبان

تازہ اور دولت کے چمکنے کے کام آئے گی۔“

اس کے بعد اپنے چچا کی ”سرداری اور ریاست“ کا کچھ حال لکھا اور پھر اس خواہش کا اظہار کیا۔

”ابت میں اس کا مستحق ہوں کہ کونسل پرنٹ گناہاؤں۔“

مرزا صاحب نے اس کے لیے لفظ ”مجموعہ“ اور پھر لفظ ”کتاب“ استعمال کیا ہے۔ مرزا

صاحب کے مقدمے کی عبارت کو چن کر یہ طور پر یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ مرزا صاحب نے اصلاً ایک باقاعدہ ”ضابطہ مجموعہ“ مرتب کیا ہے، جسے پنجاب کے نخل کشتی کے نام معنون کیا تھا (۲)۔ اس کا امکان ہے کہ ان کو کسی ذریعے سے یہ معلوم ہوا ہو حکومت وقت نوادر انگریز افسروں کے لیے ایک ضابطہ مجموعہ مرتب کرنا چاہتی ہے۔ انھوں نے اسے ”معارف آری“ کا ایک اچھا وسیلہ سمجھا ہو اور اس خیال کے تحت اس کتاب کو مرتب کیا ہو۔

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے مولانا امتیاز علی خان عثمی کے نام ایک خط میں ”میں“ کی

تخریج کے سلسلے میں ضمنی طور پر اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ صدیقی صاحب کے خط کی متعلقہ عبارت یہ ہے

”میرے پاس ایک اور قصی چیز ہے۔ غالب کو خیال ہوا کہ

”صاحبان تازہ وارد ولایت کے چہ سنے“ کے لیے ایک اردو کتاب بنائیں۔ چنانچہ اپنے لکھے ہوئے دو دیباچے اور کئی رقعے کاتب سے نقل کرائے۔ شروع میں اس کتاب کا خطبہ لکھ کر رکھ دیا۔۔۔ اس کا جو نسخہ میرے پاس ہے، اُس میں تقریباً ہر رقعے کی ابتدائی سطروں کے مقابلے حاشیے پر ”نوشہ شد“ اور لال روشنائی سے ”مقابلہ نمودہ شد“ لکھا ہوا ہے۔ کہیں کہیں کوئی عبارت قلم زد کی گئی ہے، کہیں کوئی لفظ۔۔۔ در رقعے سراسر کاٹ دیے گئے۔۔۔ اس کتاب میں جہاں کہیں تک اور اصلاح ہوتی ہے، مرزا غالب کے قلم سے معلوم ہوتی ہے۔ اصلاح کے جو لفظ کہیں کہیں آئے ہیں، انہیں کے خط میں ہیں۔۔۔“

(مکتوب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، نوشہ ۸ جنوری ۱۹۴۲ء۔ مشمولہ مجلہ نقوش لاہور، ضلع نمبر، جلد سوم، ص ۲۵)۔

یعنی غالب نے ”صاحبان تازہ وارد ولایت“ کے لیے ایک باقاعدہ نصابی ”کتاب“ مرتب کی تھی۔۔۔ میری رائے میں یہی بات مزج حقیقت رکھتی ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ مولوی ضیاء الدین خاں نے اپنی کتاب ”انشاء اردو“ میں غالب کی جو نثر شامل کی، وہ مرزا صاحب کی اسی ”کتاب“ سے ماخوذ تھی۔ یہ بھی طے شدہ ہے کہ یہ ”کتاب“ ان کے پاس تھی اور انہوں نے اسی کو کتابت کے لیے کاتب کے حوالے کر دیا تھا۔ کاتب نے اسی نسخے پر ”نوشہ شد“ لکھا ہے اور کاتب ہی نے پامچھ نے ”مقابلہ کردہ شد“ کے الفاظ لکھے ہیں۔ مکمل کتاب مولوی صاحب کے پاس کس طرح پہنچی؟ اس کا امکان ہے کہ مولوی صاحب نے مرزا صاحب سے اجازت سے نثر کی فرمائش کی ہو، اس صراحت کے ساتھ کہ ان کو ایک ضابطی مجموعے میں شامل کرنا ہے۔ مرزا صاحب نے کچھ اور مطالب کیا ہو اور ایک پوری ”کتاب“ مرتب کر کے بھیج دی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مرزا صاحب نے بہ طور خود یہ مجموعہ مرتب کیا ہو اور جب ان کو صحیح صورت حال کا علم

ہوا ہو، تو مولوی صاحب کی فرمائش کے سلسلے میں اس مجموعے کو ان کے پاس بھیج دیا ہو کہ وہ خود انتخاب کر لیں۔ بہر طور، یہ سب قیاسات ہیں۔ جو معلومات سامنے ہے، اس کی روشنی میں فی الوقت قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مرزا صاحب کا مرتب کیا ہوا وہ مجموعہ مولوی صاحب ہی کے پاس محفوظ رہا (یعنی نہ مولوی صاحب نے از خود اُسے واپس کیا اور نہ مرزا صاحب نے تقاضا کیا)۔ مولوی صاحب کے انتقال کے بعد، جب اُن کی کتابیں سید سجاد صاحب دہلوی کے توسط سے (جو اُن دنوں حیدرآباد میں تھے) بہ غرض فروخت حیدرآباد آئے تھیں، یہ مجموعہ بھی اُن کے کتاب خانے کی بہت سی دوسری کتابوں کے ساتھ حیدرآباد پہنچ گیا۔ آخر کار ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے اُسے خرید لیا (اس کی تفصیل آگے آتی ہے)۔

یہاں تک بیان ہوا کتاب کی حقیقت کا، اور وہ ترجمہ سے متعلق قیاسی تفصیلات کا۔ اس مجموعے سے متعلق دو باتوں کا بیان ابھی باقی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس مجموعے کے ضمیمے کا احوال کیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ ضمیمہ نزدیکی سے حیدرآباد کس طرح پہنچا۔ ان دونوں باتوں کے ضروری تعلقات کو لکھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ پہلے اُس انتخابی مجموعے کی مختلف اشاعتوں کی تفصیل لکھی جائے۔ یہ یوں ضروری ہے کہ مختلف اشاعتوں کی ضروری تفصیل کے بغیر ان دونوں باتوں سے متعلق بعض تفصیلات مربوط طور پر معرض بیان میں نہیں آ پائیں گی۔

زیر نظر اشاعت (ادارہ پادشاہ غالب، کراچی، ۲۰۰۱ء) سے پہلے یہ انتخابی مجموعہ چار بار چھپ چکا ہے۔ سب سے پہلے یہ ”انتخاب غالب“ کے نام سے ”چشمہ مقدمہ از محمد عبدالرزاق ایچ سی ایس، مددگار محاسب سرکار عالی حکومت آصفیہ“ چھپتے پر ایس بھٹہ بازار حیدرآباد دکن میں چھپا تھا۔ سال طبع: ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء۔ یہ سب سے پیش نظر ہے (اس سے متعلق تفصیلات آگے آ رہی ہیں)۔ دوسری بار یہ اسی نام سے ”اقبال اکینڈی، بکھر منزل، تاج پورہ، لاہور“ کی طرف سے شائع ہوا۔ اس پر سزا شاعت درج نہیں، لیکن اقبال اکینڈی کے سرکاری ”سید محمد شاہ ایم اے“ نے اس اشاعت سے متعلق دو سطور کا پیش لفظ لکھا ہے، جس کا عنوان ہے: ”ناشرین کی طرف سے“ اس

کے آخر میں "۲۵ دسمبر ۱۹۴۳ء" درج ہے۔ اس سے بظاہر یہ اے قائم کی جاسکتی ہے کہ یہ ۱۹۴۳ء کی شروع کی تاریخوں میں شائع ہوا ہوگا۔ سید محمد شاہ کے پیش لفظ کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ اسے عبدالرزاق صاحب کی اجازت سے شائع کیا گیا۔ یہ نقطہ غیش نظر ہے۔

تیسری بار اسے "انتخاب رقعات و اشعار غالب" کے نام سے کالی داس گپتا رضا صاحب نے بمبئی سے شائع کیا۔ اس پر تاریخ اشاعت ۱۵ فروری ۱۹۹۲ء درج ہے۔ رضا صاحب نے اپنے پیش لفظ میں، جس کا عنوان ہے: "کچھ اس نسخے کے بارے میں" لکھا ہے کہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے جب اسے خود چھاپنے کا ارادہ کیا تو:

"اُن کے ذہن میں یہی ہوگا کہ اس خطوط کے صفحات کے عکس بھی چھاپ دیے جائیں۔ چنانچہ اُن کی تخریر انتخاب و اشعار ڈاکٹر زامپوریم (۵)۔۔۔ پر چڑی اور ڈاک میں پاکسی کے ہاتھ خطوط بھیج دیے۔ پھر شاید معلومات ملے نہ ہو سکے یا کیا ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے خطوط واپس منگا لیا۔ مگر اس اثنا میں خطوط کے گلیٹیو بن چکے تھے۔ اب اُن اخراجات کا ذمہ دار کون ہو؟ سید جمیل الدین بھٹاوی مرحوم نے -- اخراجات ادا کر کے گلیٹیو حاصل کر لیے۔ اس سے جو شتر جمیل صاحب خطوط کی طباعت کے سلسلے میں اس کی ہو رہی ہو نقل اپنے قلم سے تیار کر چکے تھے، وہ بھی انھی کے پاس رہ گئی۔ خطوط کی ہو رہی ہو ایک اور نقل کسی اور کے قلم سے بھی اُن کے پاس تھی، یہ نہ جانے کس نے تیار کی تھی۔۔۔ تمام کوائف مجھ سے خود جمیل صاحب نے بیان فرمائے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں جب میں نے ۳۵۳ کتابوں اور دراصلوں پر مشتمل ذخیرہ غالبیات جمیل صاحب سے حاصل کر لیا تو انھی میں یہ تین نسخے بھی شامل تھے، جو اب تذرا صاحب ہیں۔"

(انتخاب رقعات و اشعار غالب، ص ۶)

رضا صاحب نے اپنے مرتبہ نسخے میں غلطی کا عکس بھی شامل کر دیا ہے، مگر بیش تر صفحات کے عکس سیاہی زدہ ہیں۔ عکس کے ساتھ جمیل صاحب کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا متن بھی عکسی صورت میں شامل کیا ہے جو قطعاً فقط اصل خطی نسخے کے مطابق ہے۔ انتخاب غالب میں شامل مالک رام صاحب اور صدیقی صاحب کے حواشی کو اگر بہ طور مختل پیش نظر رکھا جائے تو بالکل یہ کہا جاسکتا ہے کہ سلسلہ کتابیات کا رضا صاحب کا یہ کام معمولی درجے کا ہے۔

یہ انتخابی مجموعہ چوتھی بار اکتوبر ۱۹۹۳ء میں "کونستائے غالب" کے نام سے مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے شائع ہوا مرحبہ راقم المعروف۔ اس اشاعت کے طبع کی بعض قصیدات کا پیش کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ان کے بیان میں آئے بغیر کئی باتیں واضح نہیں ہو پائیں گی۔ "عرض مرحب" میں مجھ سے ایک بڑی لفظی یہ ہوئی تھی کہ ایک "داستانی روایت" کو میں نے قابل قبول مان لیا تھا؛ اُس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ ان ضروری وضاحتوں کی وجہ سے اس بیان کا طویل ہونا بھی کو بالائزъм خیر ہے گا۔

غالبیات سے دل چسپی رکھنے والے حضرات کے علم میں یہ بات تھی کہ ۱۳۳۵ھ میں حیدرآباد سے جو مجموعہ "انتخاب غالب" کے نام سے چھپا تھا (جس کا حوالہ اوپر آچکا ہے) اُس کا اصل خطی نسخہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پاس تھا۔ وہ اُسے مرتب کر کے شائع کرنا چاہتے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ اُسے چھپوانے کی فکر کرتے رہے، لیکن چھپوانے میں نہ سکے۔ وہ دوسروں کی فرمائشیں جس مستعدی کے ساتھ پوری کیا کرتے تھے، اپنا کام اُس طرح نہیں کر پاتے تھے۔ پھر معیار کا ایک مثالی تصور ان کے ذہن میں رہتا تھا اور اس میں تدوین کے ساتھ ساتھ کتابت کا نقد اور طباعت کے مشکلات بھی شامل رہتے تھے؛ یوں ان کے کام ان کے حسبِ نظر سرانجام کو نہیں پہنچ پاتے تھے۔

میں جس زمانے میں انزہر دیش اردو اکیڈمی کی پہلی کمیشن کمیٹی کا ممبر تھا، یہ خیال آیا کہ مرحوم کے مقالات کو چھپنا چاہیے۔ مرحوم کو میں اپنا معنوی استاد مانتا ہوں۔ اہلہ کے موضوع پر میں

نے ایک شاگرد کی طرح خطوں کے قوسہ سے اُن سے استفادہ کیا تھا (اس کی ضروری تفصیل میری کتاب ”اُردو اُما“ کے مقدمے میں دیکھی جاسکتی ہے)۔ عظیم در خواستوں اور بے حد اسرار پر مرحوم کے صاحبِ زادے مسلم صدیقی (مرحوم) نے یکجہ مضامین کو مرتب کر دیا اور اس طرح ۱۹۸۳ء میں مقالاتِ صدیقی کی پہلی جلد شائع ہوئی، جس میں اُما اور تحقیق الفاظ سے متعلق اٹھارہ اہم مضامین شامل ہیں۔ دو جلدوں کے بقدر مضامین بچ رہے۔ میں نے اپنی سی کوشش بہت کی، لیکن بقیہ مضامین کو مرتب نہیں کر سکا، اس کا خسوس مجھے ہمیشہ رہے گا۔

میں نے مسلم مرحوم کو بار بار لکھا کہ مضامین نہ کسی ”انتشائے عابد“ کو تو بھیجوا دیں، مگر آہستہ روی میں وہ فردِ خلف ہیں۔ انھوں نے ضروری خطوں کا جواب دینے میں کئی سال لگا دیے۔ پلا خرچ پچھلے سال (۱۹۹۳ء میں) اس مجموعے سے متعلق کاغذوں کا ایک پیکٹ میرے پاس بھیج دیا کہ اب آپ اسے جس طرح چاہیں، بھیجائیں۔ اس پیکٹ میں متن کے کتابت شدہ اجزا ابھی تھے اور ”انتشائے عابد“ کا اصل خطی نسخہ بھی تھا۔

میرے پاس جو کاغذ مسلم صاحب نے بھیجے تھے، اُن میں قابلِ ذکر چیزیں یہ تھیں: ۱۔ انتشائے عابد کا اصل خطی نسخہ۔ ۲۔ سہی کاغذ پر اس خطی نسخے کی مکمل کتابت، جو اصل نسخے کے مطابق ہے؛ یعنی خطی نسخے میں جس لفظ کو جس طرح لکھا گیا ہے، اُسے اُسی طرح نقل کیا گیا ہے۔ جن مہارتوں پر خط کھینچا ہوا ہے، انھیں بھی اصل کے مطابق رکھا گیا ہے۔ اصل نسخے میں صفحہ جس لفظ پر ختم ہوا ہے، کتابت میں بھی صفحہ اُسی لفظ پر ختم ہوا ہے۔ یعنی صفحہ پہ صفحہ یہ کتابت اصلی خطی نسخے کے مطابق ہے۔ جو لفظ غلطی سے میں بین السطور لکھے ہوئے ہیں، اُن کی کتابت اُسی طرح کرانی چلی ہے۔ یہ حوالہ آپ آچکا ہے کہ غلطی سے کی یہ کتابت (جو بالکل اصل کے مطابق ہے) صدیقی صاحب نے اللہ باد میں اپنی گمرانی میں کر لی تھی۔ متن کی یہ کتابت خاصی پرانی ہو چکی تھی، مگر کتبہ جامعہ کے شاہد علی خاں صاحب نے یقین دلایا تھا کہ چھپائی میں کسی طرح کی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ جب ۱۹۹۴ء میں یہ مجموعہ چھپ کر آیا تو معلوم ہوا کہ شاہد صاحب کی رائے درست تھی، چھپائی میں

کسی طرح کی خرابی نہیں پیدا ہوئی۔ ۳۔ کتابت شدہ متن کے ساتھ تین کتابت شدہ اجزا ملور تھے۔ (الف) مالک رام صاحب کا لکھا ہوا مقدمہ (ب) انجمنی کے لکھے ہوئے حواشی (ج) صدیقی صاحب کے لکھے ہوئے حواشی۔ ان سب اجزائی کتابت منوی کاغذ پر ہوئی ہے۔ ان اجزا کو دیکھ کر واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتابت بعد کو کرائی گئی ہے۔ یعنی یہ کتابت مسلم صدیقی مرحوم کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ ان تینوں کتابت شدہ اجزائے اصل مسودے بھی ساتھ ہی ہیں۔

ان کاغذوں کے ساتھ مالک رام صاحب کے کئی خط بھی ہیں جو انجمنی کاغذوں سے متعلق ہیں اور مسلم صدیقی صاحب کے نام ہیں۔ سب سے پرانا خط ۱۱ جون ۱۹۷۱ء کا ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

”سہر جون کے گرامی نامے کا شکریہ قبول فرمائیے۔۔۔۔۔“

قبلہ اکثر صاحب کے نسیان پر بہتا غصہ کیا جائے، کم ہے۔۔۔۔۔
 انشاء غالب مدت سے میرے علم میں ہے اور خود انجمنی نے مجھ سے
 فرمایا تھا کہ میں جلد ہی اسے مرتب کر کے شائع کر دوں گا۔۔۔ میں ضرور
 اس پر مقدمہ لکھوں گا۔ یہ نہ صرف میرے لیے باعث مسرت ہو گا بلکہ
 باعث فخر بھی؛ لیکن اس میں کچھ دقت لگ جائے گا۔“

یہ معلوم ہے کہ آخر عمر میں انتقال سے تین چار برس پہلے صدیقی صاحب کا ”حافظہ بالکل جواب دے گیا تھا، بلکہ ہوش و حواس بھی متاثر ہو گئے تھے“ انجمنی دونوں میں مسلم صاحب نے مقدمہ لکھنے کے لیے کہا ہو گا۔ ۱۷ مئی ۱۹۷۲ء کے خط میں مالک رام صاحب نے مطلع کیا ہے کہ مقدمہ مکمل ہو چکا۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۲ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ”کوئی دو ہفتے ہوئے کہ میں نے انشاء غالب کا مقدمہ ریسرچی سے سمجھا تھا“۔ یکم دسمبر ۱۹۷۲ء کے خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حواشی بھی سمجھ دیے گئے ہیں۔ یعنی مالک رام صاحب کا مقدمہ اور حواشی، دونوں چیزیں اواخر ۱۹۷۲ء تک مسلم صدیقی صاحب کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ مالک رام صاحب کے ایک اور خط سے

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل خطی نسخے کا عکس ان کے پاس تھا اور حواشی اسی کی مدد سے لکھے گئے تھے۔

مسلم صدیقی صاحب کے بیچے ہوئے جو کاغذ میرے سامنے ہیں، ان میں متعدد کاغذ ایسے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم اس متن کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہے۔ بہت سے پرچوں پر اس سے متعلق یادداشتیں لکھی ہوئی ہیں۔ طباعت کے لیے کاغذ کے نمونے بھی ایک کپ میں لگے ہوئے ہیں۔ انھوں نے دو بار اس متن کو اپنے قلم سے مکمل طور پر نقل کیا ہے۔ اس متن سے متعلق انھوں نے جو حواشی لکھے ہیں، ان کی کئی نقلیں انھی کے قلم کی لکھی ہوئی۔ یہی نہیں، پورے متن کی کتابت پہلے کاغذ پر (لیتھو کی چھاپی کے لیے) کرائی گئی ہے۔ کسی دوسرے کاتب سے پھر اس کی کتابت کرائی گئی، مگر اس کتابت کے شروع کے صرف چار صفحے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ اسے لیتھو میں چھپانا چاہتے تھے۔ مکمل متن کی کتابت مولیٰ کاغذ (خبرچہ) پر کرائی گئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بعد کو ان کا ارادہ بدل گیا اور وہ اسے وڈانگ سے چھپانا چاہتے تھے۔ فرض کہ ان سب کاغذوں کا اچھا خاصہ دست بن گیا ہے۔

انتائے غالب کے اصل خطی نسخے کا مکمل عکس اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے، اس طرح خطی نسخے کا احوال اور اس کے کوائف دیکھے جاسکتے ہیں، یہاں ان کو لکھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ محض تکرار ہوگی۔

چوتھی بات جس کا بیان باقی ہے، وہ یہ ہے کہ اصل خطی نسخہ دہلی سے حیدرآباد کس طرح پہنچا اور صدیقی صاحب کو کس طرح ملا اور کب ملا۔ اب اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

اس خطی نسخے کے سلسلے میں سب سے پہلا بیان ہمارے سامنے عبدالرزاق صاحب کا ہے، جنھوں نے اس نسخے کو مکمل صورت میں پہلی بار ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء میں ”چشتیہ پرکاش منصہ بازار حیدرآباد دکن“ میں چھپوایا تھا۔ اس کا حوالہ تو یہ آچکا ہے۔ انھوں نے ”تقریب“ کے عنوان سے اپنے فاضلہ میں لکھا ہے:

”اس کا مسودہ دہلی کالج کے پروفیسر ضیاء الدین اہل، اہل، ڈی، کے دستخط کتب خانے سے برآمد ہوا ہے اور اب جناب مفتی سید سجاد صاحب ایم، اے، کے قبضے میں ہے۔ جناب موصوف حنفیہ یونیورسٹی میں اردو کے اسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ آپ کو اردو کے قدیم سرمایے کی حفاظت کا خاص ذوق ہے۔ ہم آپ کے نہایت ممنون ہیں کہ آپ نے یہ مجموعہ اشاعت کی غرض سے ہمیں حثایت فرمایا ہے۔۔۔۔۔ ہم نے اس کا نام ”انتخاب غالب“ تجویز کیا ہے۔“

۱۰

عبدالرزاق صاحب کے اس بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ (الف) اصل خطی نسخہ سید سجاد صاحب کے قبضے میں تھا۔ (ب) یہ نسخہ مولوی ضیاء الدین خاں کے دستخط کتاب خانے سے برآمد ہوا ہے۔ (ج) سید سجاد صاحب نے اشاعت کی غرض سے یہ نسخہ عبدالرزاق صاحب کو دیا تھا (ان بیانات کا جائزہ ابھی لیا جائے گا)۔

زمانی ترتیب کے لحاظ سے اس سلسلے کا دوسرا بیان ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا ہے۔ صدیقی صاحب نے مالک رام صاحب کے نام ایک خط میں لکھا تھا:

”رقعات غالب (انتخاب) میرے پاس بہت مدت سے ہے۔ جب وہ نسخہ میری ملک میں آ رہا تھا، اُسی دوران میں ایک صاحب نے اسے مستعار لے کر نقل کر لیا (چھوٹا سا تو رسالہ ہے) اور چھپوا ڈالا۔ جو شخص میرے ہاتھ بیچ رہا تھا، اُس نے مجھے خبر کی۔ میں نے یاد کروا دی کہ اسے لے کر آئے۔ پھر کو چھپا ہوا نسخہ دیکھا، غارت کر کے چھاپا تھا۔ پھر ایک شخص نے اُن حضرت کی اجازت سے لاہور میں چھاپا۔ صورت بھتر، لیکن غلط جیسا وہ تھا دیکھا۔ اب میں خود چھپوانے کا ارادہ کر رہا

ہوں۔“ (۶)

یہ خط ۱۸ فروری ۱۹۵۴ء کا ہے۔ صدیقی صاحب نے بہت اختیار سے کام لیا اور اس کی وضاحت نہیں کی کہ ”جو شخص میرے ہاتھ پیچ رہا تھا“ وہ کون تھا۔ اس طرح قیاس آرائی کے لیے گنجائش نکل آئی۔ اس کا حق ادا کیا مالک رام صاحب نے اور اس طرح کہ اس مبہم واقعے کے بیان میں کہانی جیسی دل چسپی پیدا ہو گئی۔ مالک رام صاحب نے اس سلسلے میں اپنے مقدمے میں لکھا تھا (اُن کا یہ مقدمہ زیر نظر اشاعت میں شامل ہے)۔

”مسنی اتفاق سے غالب کے انتخاب کا یہ غلطی نسخہ ”انشاء مارو“

کی ترتیب و اشاعت کے بعد مولوی ضیاء الدین خان کے ذخیرے میں محفوظ رہا۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کی کتابوں سے یہ برآمد ہوا اور ایک صاحب اسے لے کر حیدرآباد پہنچے۔ وہاں اُنھوں نے اسے مولوی محمد عبدالرزاق راشد کو دکھایا اور انھیں بتایا کہ وہ اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔ وہ فیح کو دیکھ کر اس کی اہمیت تو بھانپ گئے، لیکن وہ اس کے لیے کچھ دینا نہیں چاہتے تھے، اُنھوں نے مالک سے کہا کہ اسے مختصر وقت میں اسے دیکھنا محال ہے، آپ اسے چھوڑ جائیے، میں اطمینان سے دیکھ کر فیصلہ کر سکوں گا کہ آیا اس میں کوئی نئی چیز ہے بھی یا نہیں اور اس کی قیمت کیا ہونا چاہیے۔

بات معقول تھی، مالک اس پر راضی ہو گیا اور نسخہ اُن کے حوالے کر کے چلا آیا۔ مختصر سی چیز تھی، دراشد صاحب نے راتوں رات اس کی نقل لے لی اور جب مالک اگلے دن اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ کہہ کر اس میں کوئی اہم اور نئی چیز نہیں ہے، اُنھوں نے غلطی نسخہ اسے واپس کر دیا۔

اُس کے دو چار دن بعد وہ شخص اسے لے کر ڈاکٹر عبدالستار

صدیقی کے پاس پہنچا۔ یہ ان دنوں وہاں ٹائیپ یونیورسٹی کالج کے پرنسپل تھے۔ انہوں نے الٹ پلٹ کر اسے دیکھا تو فوراً جان گئے کہ یہ مجموعہ خود غالب کا مرتب کیا ہوا ہے۔۔۔ انہوں نے مالک کو اس کے لیے وہیں روپے چیش کیے۔۔۔ اس نے ان ۲۹ صفحات کے لیے ڈاکٹر صدیقی سے یہاں روپے بھی بہت قیمت خیال کیے اور ان کی پیشکش قبول کر لی۔ یوں یہ نسخہ ڈاکٹر صاحب کی تحویل میں آ گیا (۷)۔

(مقدمہ انتخاب غالب، مکتبہ جامعہ ملی، دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۳۳-۳۵)

تفصیلات اور تجویزات اس طرح مرتب صورت میں سامنے آئی ہیں کہ ان پر یقین کر لینے کو جی چاہتا ہے مگر مالک رام صاحب نے یہ کہیں نہیں بتایا کہ یہ تفصیلات انہیں معلوم کیسے ہوئیں اور کب معلوم ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ حوالے کے بغیر ان تفصیلات کی کوئی حیثیت نہیں تھی، انہیں تسلیم نہیں کیا جاسکتا تھا؛ لیکن اس سلسلے میں کہیں اور تفصیلات نہیں ملتی تھیں، اس لیے ان کے اس بیان کے لیے یہ فرض کر لیا گیا کہ وہ درست ہوگا اور یہ سہری غلطی تھی۔

صدیقی صاحب کے ذخیرے میں بہت سے معروف لوگوں کے خطوط اچھی خاصی تعداد میں محفوظ تھے۔ ان کے فرزند جناب مسلم صدیقی نے کچھ خطوط میرے پاس بھیج دیے، مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب میں ”انتخاب غالب“ کو مرتب کر کے برائے اشاعت بھیج چکا تھا۔ ان خطوں میں سید سجاد دہلوی (استاذ شعبہ اردو، ٹائیپ یونیورسٹی کالج حیدرآباد) کے بھی چھ خط تھے۔ یہ سب خط ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نام ہیں۔ بعض خط طویل ہیں۔ نقل ایک پراساز کے کاتھ پر باریک کھسائی کے نقل ۲۲ صفحے ہیں۔ پہلا خط ۲۳ اگست ۱۹۳۶ء کا ہے اور آخری خط ۲۹ جنوری ۱۹۴۷ء کا۔ میرے پاس خطوں کا جو ٹائپ آیا تھا، اس میں کئی حضرات کے خط تھے۔ کچھ وقت تو ان کے پڑھنے میں نکل گیا۔ جب سید سجاد صاحب کے خط پڑھنے بیٹھا تو اس وقت تک ”انتخاب غالب“ چھپ کر آچکی تھی۔ بہت قشع ہوا، خاص کر یوں کہ میں نے عدم واقفیت کی بنا پر

مالک رام صاحب کی روایت کو درست سمجھ لیا تھا اور مہاراج صاحب کے پاس کوئی نسخہ نہیں مستخرج کر لیا تھا۔ اگر ان غلطیوں کو پہلے دیکھ لیا ہوتا تو ان دونوں باتوں سے متعلق تنقیدات کسی اور طرح معرض بیان میں آتیں اور صورت حال کی وضاحت کی جاتی۔ ان غلطیوں کو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ تو قصہ ہی دوسرا ہے، بات ہی بدلی ہوئی ہے اور یہ کہ اس قصے میں مرکزی حیثیت سید سجاد صاحب کی تھی۔ صدیقی صاحب کے خط میں ”جو شخص میرے ہاتھ بچ رہا تھا“ سے مراد سید سجاد صاحب ہیں۔

ان غلطیوں سے کئی باتیں معلوم ہوئیں: (الف) دہلی سے کوئی صاحب سید صاحب کے پاس کتابیں پر غرض فروخت حیدر آباد بھیجا کرتے تھے اور سید صاحب ان کتابوں کو مختلف افراد اور کتاب خانوں کو دیا کرتے تھے۔ (ب) سید صاحب نے ایک دو غلطیوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب اس وقت تو یہاں موجود نہیں، جب میں دہلی جاؤں گا تب تلاش کروں گا یا لاؤں گا۔ (ج) سید صاحب نے ان صاحب کا نام نہیں لکھا جو کتابیں پر غرض فروخت بھیجا کرتے تھے (یا جن سے سید صاحب کتابیں منگوا کرتے تھے) مگر انداز بیان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب کوئی قابل ذکر حیثیت رکھتے تھے (د) ایک خط کے ساتھ دو غلطیوں پر مشتمل ۳۳ کتابوں کی فہرست بھی ہے۔ اس فہرست میں نمبر ۳۳ پر ”غالب کے دو خطوط“ بھی ہیں جن کے لیے لکھا گیا ہے کہ یہ غالب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور ”جہاں تک میں سمجھتا ہوں نامعلوم“۔ (و) جس خط کے ساتھ یہ فہرست منسلک ہے، اس میں ایک جگہ سید صاحب نے لکھا ہے:

”آپ کے ارشاد کے مطابق اب کے پیرے میں ساطع برہان متحی تیز، سعادت علی اور ساج کی تحریریں دہلی میں تلاش کروں گا اور کام پائی ہوئی تو آپ کی خدمت میں عرض کروں گا، لیکن یہ جملہ امور دہلی جانے پر متوقف ہیں۔“

یعنی لوگ سید صاحب سے کتابوں کی فرمائش بھی کیا کرتے تھے اور سید صاحب خود بھی دہلی میں قافلہ فروخت کتابوں (دفیرہ) کی تلاش کیا کرتے تھے۔ ۳۰ ستمبر کے خط میں لکھا ہے:

”آپ کی مطلوبہ کتب میں سے تین کتابیں۔۔۔۔۔ حیدرآباد میں موجود نہیں ہیں۔ ان کا مجھے دہلی سے انتظار تھا۔۔۔۔۔ ان کے مالک نے گزشتہ تین ماہ میں ان کے بیچنے کے متعلق دوسرے لکھا۔۔۔۔۔ مگر وعدہ پورا نہ کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنی پہلی کتابوں کی فروخت اور ان کی رقم پہنچ جانے کے منتظر ہیں۔۔۔۔۔ یہ کتابیں ان کے پاس موجود ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ ان کو میرے سوا کسی کے ہاتھ نہیں بھیجیں گے۔“

ان اقتباسات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کتابوں کی باقاعدہ خرید و فروخت کیا کرتے تھے اور عموماً کتابیں دہلی سے آتی تھیں یا وہ خود جاکر تلاش کر کے لاتے تھے۔

”انٹاکے غالب“ کے خطی نسخے کا ذکر ان کے ۲۳ مارچ ۱۸۶۷ء کے خط میں موجود ہے۔ غالب کے دو خطوں اور بعض دوسری کتابوں کے متعلق اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے:

”میرے پاس غالب کے رقعات و قطاریط اور اشعار کا ایک مختصر انتخاب پہنچا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں اپنے ساتھ عربیے میں اس کا ذکر کر چکا ہوں یا نہیں۔ یہ انتخاب خاص غالب کی نظم کا لکھا ہوا تو نہیں ہے لیکن کیا ہوا نہیں کا ہے اس لیے کہ اس کے شروع میں غالب نے اپنی طرز خاص میں ایک ویجاہ اور آخر میں ایک خانہ تحریر فرمایا ہے۔ ویجاہ میں وجہ یا ضرورت انتخاب کی صراحت کی ہے۔ یہ دونوں عبارتیں بالکل نئی چیزیں ہیں۔ قطاریط تمام مطبوعہ ہیں، لیکن خطوط میں ایک خط اردو سے معلیٰ کی کسی انٹیشن میں نہیں اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ بھی نیا ہے۔ یہ بھی

خدمت وادارہ میں سر مل کرتا ہوں۔ چاہے آپ اس کو خرید لیں یا اس کی نقل لے لیں، یا بقول کی ایک قلیل سی قیمت ادا فرمادیں اور اصل کو واپس فرما دیں۔ غلطو و انتخاب کے مالک پر میرا قصور اسازور ہے، میں اس سے کام لے سکتا ہوں۔ یا آپ کی اجازت ہو تو میں ان کی قیمت ادا کر دوں۔۔۔۔۔“

یہ خط تین ورق یعنی چھ صفحے کا ہے۔ آخری صفحے پر ختم عبارت کے بعد حاشیے پر یہ عبارت لکھی گئی ہے: ”خط آج ڈاک میں ڈال رہا ہوں۔ کل رجسٹری کے ذریعے سے (۱) غالب کے اصل غلطو (۲) خط مطبوعہ (۱۸۶۵-۳) انتخاب (۳) برہان قاطع بھیجوں گا۔ آج رجسٹری کا وقت نہیں رہا۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”انفائے غالب“ کے ذریعے بحث غلطو طے کو سند صاحب نے ۲۵ اگست ۲۶ء کو پڑھ کر رجسٹری بھیجا ہو گا۔ صدیقی صاحب اس زمانے میں ڈھاکہ یونیورسٹی میں تھے۔

انکا خط ۳۰ ستمبر ۲۶ء کا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ (اور کتابوں کے ساتھ) یہ خطی نسخہ بھی صدیقی کے پاس پہنچ گیا تھا۔ صدیقی صاحب نے اس دوران قیمت کے متعلق دریافت کیا ہو گا، اس خط میں اس سلسلے میں یہ عبارت ملتی ہے:

”انتخاب، غلطو یا مطبوعہ اور جملہ غالب کی قیمت میں نے دریافت کی تھی۔ یہ جواب آیا کہ ان کی قیمت بتایا گیا، اس کا دار و مدار خریداری کی ضرورت اور ذوق پر ہے۔ گویا قیمت مجھے پھر نہ معلوم ہو سکی۔ میری رائے میں آپ اپنے اندازے سے ان سب کی ایسی قیمت مقرر فرما کر بھیج دیجیے جس میں آپ کو نقصان کا اندیشہ نہ ہو، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔“

ذریعہ بحث خطی نسخے کے سلسلے میں سب سے اہم خط ۱۸ نومبر ۱۹۲۶ء کا ہے۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے یہ خطی نسخہ پہلے عبدالرزاق صاحب کو دیا تھا اور بعد کو اسے صدیقی صاحب کے پاس بھیجا۔ جب عبدالرزاق صاحب نے اسے چھاپ لیا تو اس کے فوراً بعد انھوں نے اس کی اطلاع صدیقی صاحب کو دی۔ سید صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

”انتخابِ رقعات و اشعار مرزا غالب، جس کا مسودہ آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں، اس کے متعلق ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے اور اس کی اطلاع مجھے کل ہی ملی ہے۔ یہ مسودہ میرے پاس دو ڈھائی سال سے تھا۔ گزشتہ سال مولوی عبدالرزاق صاحب --- میرے پاس تشریف لائے اور اپنے پرچے کے لیے --- مضمون مانگا۔ میں اُن ایام میں حیدرآباد کے باہر جا رہا تھا۔ غلط میں مضمون تو کیا لکھ سکتا تھا، میں نے یہ مسودہ ان کے حوالے کیا اور کہا یہ نایاب چیز ہے، آپ اسے دیکھ کر اس پر ایک نوٹ مرحب فرما لیجیے۔ وہ اسے لے گئے اور بجائے نوٹ تحریر دینے کے، مسودے کی پوری نقل لے لی اور بغیر میری اجازت کے اپنے پرچے میں، جو کل ہی شائع ہوا ہے، اسے نقل کر دیا۔ اور نہ صرف اسی صہبانی پر قناعت کی، بلکہ اس کے سونے علیحدہ چھپوا کر اسے دکن کی ایک انجمنِ اربابِ ادب کے حلقے میں داخل کر دیا۔ اس کے شائع ہونے کا تو مجھے رنج نہیں ہے، لیکن اشاعت نے جو صورت اختیار کی، وہ قابلِ افسوس ہے۔ بہر حال وہ مسودہ اب آپ کے لیے بے کار ہو گیا، آپ اسے اپنے مجموعے میں شامل نہ فرمائیں اور عنایت فرما کر اسے واپس فرمادیں۔ نیز خط و غیرہ کی قیمت میں اس کی قیمت وضع فرمائیں۔“

سید صاحب کے لکھنے کے مطابق یہ خطی نسخہ ”دو ڈھائی سال سے“ ان کے پاس تھا، یعنی

۱۳۳ء کے آغاز میں آیا ہو گا۔ انھوں نے ”گزشتہ سال“ ۱۳۲ء سے عبدالرزاق صاحب کو دیا تھا، یعنی یہ

واقعہ ۲۵ کا ہے۔ یہاں مجھے دو باتوں پر توجہ ہے۔ سید صاحب غلطی نسخوں کی عمومی قدر و قیمت سے خوب واقف تھے اور اس نسخے کی اہمیت سے بھی بے خبر نہیں تھے۔ اس صورت میں ایسے اہم مخطوطے کو اس آسانی کے ساتھ کسی کے حوالے کر دینا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ معذرتی الفاظ کس قدر کم زور اور کس قدر رکی ہیں۔ اسی سلسلے میں یکم دسمبر ۱۹۶۱ء کے خط میں سید صاحب نے لکھا ہے:

”اس وقت تو مجھے اس کے معلق ایک خفیف سی پریشانی یہ ہے کہ عبدالرزاق نے نہ اس کے چھاپنے کی اجازت لی اور نہ اس کے دام ادا کیے۔۔۔ اور مسودہ ایک بڑے، شگزار اور حضرت کا ہے۔ اُن کو معلوم ہوا کہ مسودہ اس طرح چھاپ لیا گیا ہے اور اُس کے بعد انھیں نہ دام پہنچیں اور نہ مسودہ، تو ممکن ہے کہ وہ کچھ سر اٹھائیں۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ عبدالرزاق اس کی کچھ قیمت ادا کر دیں۔ اگر وہ وصول ہوگئی تو پھر مسودہ آپ اپنے ہی پاس رکھیے گا۔“

”اور نہ اس کے دام ادا کیے“ سے بظاہر تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ شروع ہی میں مخطوطے سے معلق داسوں کی کچھ بات اُن سے ہوئی تھی، یہ بالکل بات ہے کہ عبدالرزاق صاحب زیادہ کچھ دار و لفظ اور انھوں نے مسودہ وہاں پس کر دیا۔ طریقہ انھیں، اور پھر کچھ وقت کے بعد اُسے چھاپ لیا۔ ۲۹ جنوری کے خط سے پھر اس ملک کی تائید ہوتی ہے:

”کتاب کا معاملہ طے شدہ تصور نہ فرمائیے۔ عبدالرزاق

صاحب کے پاس سے مجھے جنوز کچھ نہیں وصول ہوا۔ دو ایک بار آدمی بھی بھیجا مگر انھوں نے یہ کہلوایا کہ میں خود آ کر طوں کا اور اس کا جواب دوں گا۔“

سید پناہ صاحب کے بیانات سے واقف کی مکمل صورت گری نہیں ہو پاتی۔ یقین کے

ساتھ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اقتدا ہی طرح واقع ہوا تھا جس طرح اُسے سید صاحب نے لکھا ہے۔ سید صاحب حیدر آباد میں موجود تھے۔ عبدالرزاق صاحب بھی حیدر آباد میں تھے جب عبدالرزاق صاحب نے ”انتخاب غالب“ کے پیش لفظ میں یہ لکھا تھا کہ یہ خطوط جو مولوی ضیاء الدین خاں کے کتب خانے سے آیا ہے سید جواد صاحب کے ”قبضے میں ہے“ اور:

”ہم آپ کے نہایت ممنون ہیں کہ آپ نے یہ مجموعہ اشاعت کی غرض سے ہمیں ہمتایت فرمایا ہے۔“

اس سے یہ بات تو واضح طور سے سامنے آ جاتی ہے کہ عبدالرزاق صاحب کو معلوم تھا کہ سید صاحب کے پاس دہلی سے کتابیں آتی ہیں۔ انھیں سے یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ یہ خطی نسخہ مولوی ضیاء الدین خاں کے کتب خانے کا ہے۔ اس صورت میں اس خیال کا پتہ ہونا ناگزیر سامع معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے یہ خطی نسخہ محض نوٹ تیار کرنے کے لیے نہیں دیا ہوگا۔ کچھ اور بات ہوئی ہوگی جس کا کافی الوقت ہمیں علم نہیں۔

سید جواد صاحب کے حوانات میں ایک اور الجھن سے دو چار ہونا چاہتا ہے۔ انھوں نے ۱۸ نومبر کے خط میں صدیقی صاحب کو مطلع کیا ہے کہ گزشتہ سال میں نے عبدالرزاق صاحب کو ”انتخاب رقعات و اشعار مرزا غالب“ کا مسودہ دیا تھا، اس غرض سے کہ وہ اپنے رسالے میں چھاپنے کے لیے اس پر ایک نوٹ مرتب کر لیں۔ انھوں نے نوٹ مرتب کرنے کے بجائے مسودے کی پوری نقل لے لی اور اُسے چھاپ دیا۔۔۔۔۔ اس کے بعد یکم دسمبر ۱۹۲۶ء کے خط میں اسی خطی نسخے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”میں نے اس کے متعلق عبدالرزاق صاحب کو ایک نوٹ دیا تھا۔ انھوں نے اسے بھی اپنے نام سے چھاپ دیا اور جب مجھ سے ملے تو فرمایا کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ چاہا سے سرقہ لگجیے یا کھلاؤ۔“

پہلے خط میں سید صاحب نے اس نوٹ کا ذکر نہیں کیا۔ اگر یہ سچ ہے کہ انھوں نے اس

مخطوطے سے متعلق ایک نوٹ بھی تیار کر کے دیا تھا تو پھر اُن کے اُس بیان سے کیا مطلب نکالا جائے گا جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ میں نے یہ مسودہ عبدالرزاق صاحب کو اس لیے دیا تھا کہ وہ اس سے متعلق ایک نوٹ مرتب کر لیں۔ جب نوٹ مرتب کر کے دے دیا گیا تھا تو پھر نوٹ مرتب کرنے کا مطلب کیا تھا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے پورا واقعہ اُس طرح نہیں لکھا جس طرح وہ واقعہ ہوا تھا۔ ہمارے لیے فی الوقت یہ معلوم کرنے کی کوئی صورت نہیں کہ اصلاً کیا بات ہوئی تھی اور کیا طے ہوا تھا۔

ایک بات اور: سید صاحب کے اس بیان کی روشنی میں کہ نوٹ میں نے مرتب کر کے دیا تھا اور عبدالرزاق صاحب نے ”اسے بھی اپنے نام سے چھاپ ڈالا“ یہ ظاہر تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ عبدالرزاق صاحب کے چھاپے ہوئے ”انتخاب غالب“ میں اُن کے نام سے جو پیش لفظ بہ عنوان ”تقریب“ ہے، اُس کا پیش تر حصہ اُن کا لکھا ہوا نہیں بلکہ سید سجاد صاحب کا مرتب کیا ہوا ہے۔ جسے انھوں نے اجازت کے بغیر چھاپ لیا۔

اب رہی مالک رام صاحب کی روایت: سو وہ محض کہانی معلوم ہوتی ہے۔ سب سے بڑی بات اُس میں یہ ہے کہ اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالستار صدیقی صاحب اُن دنوں حیدر آباد میں تھے جب وہ شخص اُن کے پاس ٹھہری سڑ پہ غرضی فروخت لایا تھا اور وہ روپے پر قناعت کر لی تھی؛ لیکن صدیقی صاحب اُن دنوں ڈھاکہ یونیورسٹی میں تھے حیدر آباد میں تھے ہی نہیں۔ یہ بات خود مالک رام صاحب نے بھی لکھی ہے۔ تاکہ اُن معاصرین کی دوسری جلد میں صدیقی صاحب کے حالات کے ذیل میں انھوں نے لکھا ہے:

”۱۹۲۳ء میں وہ حیدر آباد سے ڈھاکہ یونیورسٹی کے پلاوے

پر شعبہ عربی و علوم اسلامی کے صدر بن کر وہاں چلے گئے۔۔۔ ڈھاکہ

میں تقریباً چار برس کے قیام کے بعد وہ ۱۹۲۸ء میں صدر شعبہ عربی و فارسی

کی حیثیت سے الوداعاً گئے۔“ (ص ۶۳)

مقامات صدیقی جلیل القدر کے آغاز میں اُس کے مرغب اور صدیقی صاحب کے صاحب زادے جناب مسلم صدیقی نے بھی یہی لکھا ہے۔ سید جہاد صاحب کے خط میں صراحتاً مذکور ہے کہ یہ خطی نسخہ (بعض اور کتابوں کے ساتھ) لڑاک سے دہشتری کے ذریعے اُن کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اس صورت میں ایک صاحب کا مخطوطہ لے کر آنا، پہلے عبدالرزاق صاحب کے پاس جانا، اُن کا رات بھر میں اُس کی نقل لے لینا اور پھر اُسے لوٹا دینا، دوسرے دن اُن صاحب کا صدیقی صاحب کے پاس آنا، چوری کہانی سنانا اور پھر دس روپے قبول کر لینا، یہ سب داستانِ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ صدیقی صاحب تو حیدرآباد میں تھے ہی نہیں، دس روپے کس نے دیے اور بات کس سے ہوئی۔ معلوم نہیں یہ کہانی مالک دام صاحب کو کس نے سنائی تھی۔ مرحوم کی یہ حالت تھی کہ وہ سنی سنائی روایتوں پر بے ساسی اعتبار کر لیتے تھے، انھیں درج کتاب کر لیا کرتے تھے اور حوالہ دیتے نہیں تھے۔ میں نے ایک بار اس پر اعتراض کیا تھا تو انھوں نے اُس کا جواب یہ دیا تھا کہ اپنا اپنا طرچہ کار (۸) ہے۔ اسی طرچہ کار کے باعث (جو سراسر غیر تحقیقی ہے) تذکرہ معاصرین کی چاروں جلدوں میں اور تذکرہ مادہ سال میں کم زور یا غیر معجز روایتیں شامل ہو گئی ہیں اور اس نے ان کتابوں کی (اور اُن کی اور بہت سی تحریروں کی) استنادی حیثیت کو بے حد مشکوک بنا دیا ہے۔ وہی صورت حال یہاں بھی رونما ہوئی ہے۔

اس بحث کی تحقیق اس طرح کی جاسکتی ہے: (الف) انشاے غالب کا مخطوطہ سید جہاد صاحب کے بیان کے مطابق ۱۹۴۳ء میں کسی وقت اُن کے پاس آیا ہوگا۔ (ب) یہ مخطوطہ دہلی سے آیا تھا اور اس کے مالک کوئی عام ہجر کتب نہیں تھے، کوئی خاص حیثیت رکھتے تھے۔ اگر عبدالرزاق صاحب کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے (اور جس کے ماننے میں یہ ظاہر کوئی قاحت نظر نہیں آتی) تو یہ خطی نسخہ دہلی سے مولوی ضیا والدین صاحب کے کتب خانے سے آیا تھا (ج) سید جہاد صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ۲۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو (پاس کے ایک دو دن بعد) اُس خطی نسخے کو ڈاکٹر عبدالعزیز صدیقی کے پاس پرغرض فروخت پڑا دیا۔ لڑاک بھیجا تھا۔ (صدیقی صاحب

اُس زمانے میں ڈھاکہ یونیورسٹی میں تھے) (و) ۱۸ نومبر ۲۶ء کے خط میں سید صاحب نے صدیقی صاحب کو مطلع کیا کہ میں نے عبدالرزاق صاحب کو وہ غلطی نسخہ ”گزشتہ سال“ (یعنی ۲۵ء میں کسی وقت) دیا تھا اور اب انھوں نے اسے اپنے رسالے میں چھاپ لیا ہے میری اجازت کے بغیر اور اُس کے سونے الگ سے چھاپ لیے ہیں۔ (و) عبدالرزاق صاحب کا بیان یہ ہے کہ سید صاحب نے وہ غلطی نسخہ مجھے چھاپنے کے لیے دیا تھا۔ (و) یہ بات ان خطوں سے معلوم نہیں ہو سکتی کہ جب صدیقی صاحب نے اس ”حادثے“ کے باوجود غلطی سے اپنے پاس رکھنا چاہا (اور رکھا) تو اس کے لیے کتنی رقم ادا کی تھی۔

مالک رام صاحب نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے:

”راشد صاحب نے اپنی نقل پہلے تو تین خطوں میں حیدر آباد کے رسالے ”تحفہ“ میں چھپوائی (اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۳۶ء)۔ اُس کے بعد اُس پر ایک مختصر دیباچہ لکھ کر اسے کتابی شکل میں پر عنوان ”انتخاب غالب“ شائع کیا۔“

یعنی یہ قول اُن کے یہ مجموعہ حیدر آباد میں دوبار چھپا۔ پہلی بار رسالہ ”تحفہ“ کے تین شماروں میں اور اُس کے بعد باقاعدہ کتابی شکل میں۔ جب راشد صاحب نے اسے کتابی شکل میں چھپوایا، تب اس پر مختصر دیباچہ لکھا۔ مگر ان میں سے کوئی بات صحیح نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انھوں نے رسالہ ”تحفہ“ کو بہ چشم خود نہیں دیکھا (اور جیسی کہ اُن کی عادت تھی) کسی سے سن کر یہ سب کچھ لکھ دیا۔ کالی داس گپتا درضا صاحب نے بھی یہی بات لکھی ہے کہ پہلے یہ کتاب رسالہ ”تحفہ“ کے تین شماروں میں شائع ہوئی تھی اور ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلا ایڈیشن مطبوعہ چشتیہ پریس حیدر آباد دکن ۱۳۳۵ھ کے آخر میں، یعنی ۱۹۴۷ء میں بازار میں آیا ہوگا۔“ (انتخاب دقعات شعرا غالب، ص ۳) صحیح صورت حال یہ ہے کہ رسالہ ”تحفہ“ (حیدر آباد دکن) کے ”شوال، ذی قعدہ،“

ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ کے مشترک شمارے میں یہ متن چھپا تھا۔ یہ شمارہ میرے سامنے موجود ہے۔ اس شمارے کے سرورق پر تیسری سطر میں لکھا ہوا ہے: نمبر ۱۱، ۱۰، ۱۱، ۱۲، شوال، ذی القعدہ، ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ، جلد ۲۔ اس اندراج سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ ”تحفہ“ کا یہ متن میرے سامنے مشترک شمارہ تھا۔

اسی سرورق پر نمبر سب مضامین ہیں، جس کا آخری اندراج ہے: ”انتخاب غالب“۔ اس کے آگے صفحہ نمبر مرقوم نہیں۔ اس اندراج سے پہلے ”نصہ نظم“ کے عنوان کے آگے صفحہ کا نمبر ”۳۸“ لکھا ہوا ہے۔ رسالہ ص ۳۸ پر ختم ہو جاتا ہے۔ (یادوں کے لیے کہ مکمل ہو جاتا ہے)۔ اس کے بعد نیا سرورق لگایا گیا ہے جس کے متعدد جات کی کیفیت یہ ہے:

”سلسلہ انجمن ارباب اردو نمبر (۲) انتخاب غالب ریاضی ار
مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کے خطوط، لطائف، اشعار اور نقوش کا
ایک مختصر مجموعہ جس کو انھوں نے خود مرتب کیا تھا اور جواب تک طبع نہیں
ہوا پر تشبیہ و مقدمہ رازدگر عبدالرزاق ایچ بی، دایس مددگار محاسب سرکار
عالی حکومت آصفیہ، ۱۳۳۵ھ، مطبوعہ چشتیہ پریس جمہور بازار حیدر آباد
دکن“۔

اس محل محل چھپیں صفحات ہیں۔ شروع کے چار صفحے سرورق اور مقدمہ مرتب پر مشتمل ہیں۔ اس کے بعد اصل متن کے لیے نئے نمبر شمارہ لے گئے ہیں۔ ان نمبروں کے مطابق اصل متن ص ۱۹ پر ختم ہو جاتا ہے۔ آخری صفحہ ص ۴۰ پر ”مطبوعات انجمن ارباب اردو سرورق“ کا اشتہار ہے۔ اس میں ”انتخاب غالب“ کا اشتہار بھی شامل ہے۔ اس کی قیمت ”۴۰“ (چھ آنے) بتلکھی گئی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ رسالہ ”تحفہ“ کے مشترک شمارہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ کے آخر میں اس انتخاب کو ایک مجموعے کی صورت میں، الگ سرورق کے ساتھ شامل کر دیا گیا اور پھر اس آخری حصے کو طبع و سے کتابی صورت میں بھی شائع کیا گیا۔ سرورق تو موجود ہی تھا، بچا چھپا تھا اور صفحات نمبر بھی اس

کے مطابق پڑے ہوئے تھے۔ یہ وہی طریقہ کار ہے جس سے آج بھی بعض دفعہ کام لیا جاتا ہے کہ کسی رسالے کے آخر میں مکمل متن کو نئے صفحات نمبر کے ساتھ شامل کر لیا گیا اور اُس حصے کی الگ سے کچھ کاپیاں چھپوائی گئیں اور اس طرح کتاب بھی بن گئی۔ سید شاہ صاحب نے اپنے ۱۸ نومبر ۲۶ء کے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے سو (۱۰۰) نئے علاحدہ چھپوائے گئے تھے۔

رسالہ ”تقہ“ کا یہ مشترک شمارہ میرے سامنے ہے، اس کے آخر میں ”انتخاب غالب“ شامل ہے۔ (اس میں ”انتخاب غالب“ کے صفحات پر ڈاکٹر صدیقی مرحوم کے بہت سے حواشی لکھے ہوئے ہیں) الگ سے جو مستقل رسالے (یا کتاب) کی صورت میں اسے لایا گیا تھا، اُس کا بھی ایک نسخہ میرے سامنے ہے۔ ان دونوں کے موجود ہونے سے یہ آسانی ہوئی کہ مقابلہ کر کے یہ اطمینان کر لیا گیا کہ یہ وہی صفحات ہیں جو رسالے (تقہ) کے ساتھ شریارہ بند تھے اور اب مستقل رسالے (یا کتاب) کی صورت میں سامنے ہیں۔ چوں کہ رسالہ ”تقہ“ کا یہ شمارہ پیش تر لوگوں کی نظر سے نہیں گزرا تھا، اس لیے اس غلط فہمی نے روانہ پایا کہ یہ انتخاب حیدرآباد میں دوبارہ چھپا تھا۔ ایک بار رسالہ ”تقہ“ میں اور ایک بار الگ سے کتابی صورت میں۔ یہ غلط فہمی بھی بجلی کی یہ انتخاب رسالہ ”تقہ“ کے تین شماروں میں (قطار) چھپا تھا۔ صحیح صورت حال یہ ہے کہ عبدالرزاق صاحب نے حیدرآباد میں اسے ایک ہی بار چھپا تھا رسالہ ”تقہ“ کے ساتھ۔ یہ شمارہ تین میٹروں کا مشترک شمارہ تھا۔ ساتھ ہی ”انتخاب غالب“ کے حصے کو الگ سے کتابی شکل میں پیش کیا، اس طرح یہ ایک مستقل کتاب بن گئی۔

اس سلسلے کی دوسری بات ہے منہ لطاعت۔ رسالہ ”تقہ“ کے سرورق پر صرف یہ مرقوم ہے: ”شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ“۔ اس کا واضح طور پر مطلب یہ ہے کہ یہ ان تین میٹروں کی نشان دہی ہے جن کا تعلق اس شمارے سے ہے۔ ”۱۳۳۳ھ“ منہ لطاعت نہیں، یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ شمارہ ۱۳۳۳ھ میں چھپا تھا۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ۱۳۳۳ھ کے اُن آخری تین میٹروں کا یہ مشترک شمارہ ہے۔ ”انتخاب غالب“ کے سرورق پر سال طبع ۱۳۳۵ھ چھپا ہوا ہے، اس کا مطلب

یہ ہے کہ رسالہ ”تقذ“ مع انتخاب غالب ۱۳۳۵ھ میں چمپا تھا۔

سید سجاد صاحب نے ۱۸ نومبر ۲۶ء کے خط میں صدیقی صاحب کو ”انتخاب غالب“ کے چمپ جانے کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے کہ عبدالرزاق نے اسے ”غیر میری اجازت کے اپنے پرچے میں، جو کل ہی شائع ہوا ہے، اسے نقل کرو یا۔“۔ ”کل ہی شائع ہوا ہے“ کا مطلب یہ ظاہر بھی ہے کہ ۱۷ نومبر ۲۶ء کو رسالہ ”تقذ“ کا دہ شمارہ شائع ہوا تھا جس کے ساتھ ”انتخاب غالب“ چمپا تھا۔ (اس قلمین میں زیادہ سے زیادہ ایک دو دن کا فرق ہو سکتا ہے) میرے سامنے انجمن ترقی اردو پاکستان کی شائع کی ہوئی تقویم ہے، اس کے مطابق ۱۳۳۵ھ مشتمل ہے ۱۲ جولائی ۱۹۳۶ء سے جون ۱۹۳۷ء کے مہرے پر۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۳۳۳ھ کے آخری تین مہینوں پر مشتمل رسالہ ”تقذ“ کا زیر بحث شمارہ ۱۳۳۵ھ کے پانچویں مہینے میں شائع ہوا تھا۔ یہی سنہ شامت ”انتخاب غالب“ کا قرار پاتا ہے، یعنی ”انتخاب غالب“ عبدالرزاقی صاحب کے اہتمام سے نومبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا تھا۔

ذیل میں سید سجاد دہلوی کے خطوں کا مکمل متن پیش کیا جاتا ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ”انتخاب غالب“ کے خطی نسخے سے متعلق ان خطوں میں جو اہم معلومات ملتی ہے وہ محفوظ ہو جائے۔ اس بحث سے دل چاہی رکھنے والے حضرات متعلقہ حقائق سے اچھی طرح واقف ہو سکیں۔ غیر معتبر روایتیں کس طرح فروغ پاتی ہیں اور معاملات کے صحیح و غلط کس طرح اصل بات کو الجھا دیتے ہیں، یہ سب باتیں اچھی طرح واضح ہو جائیں۔ یہ سب خط ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نام ہیں جو ان دنوں ڈھاکہ یونیورسٹی میں تھے۔ خط نمبر ۱ کے ساتھ ایک ورق الگ سے منسلک ہے جس کے دونوں طرف کتابوں کے نام لکھے ہوئے ہیں اور بعض کے سامنے قلمیں بھی لکھی گئی ہیں۔ اس خط میں اس ورق کا حوالہ بھی آیا ہے۔ اس ورق کے دونوں صفحے یکسی صورت میں اس خط کے ساتھ ہی پیش کیے گئے ہیں۔ اصل خط میں نے انجمن ترقی اردو کی دہلی کے کتب خانے میں محفوظ لکھراویہ ہیں۔

(۱)

گنگ کوٹھی روڈ حیدرآباد دکن

۲۳ مارچ ۱۹۶۶ء

جناب مخدومی شفیق زاولطفہ آداب عرض۔

واللہ اعلم مجھے کل شام کو ملا اور نوکر نے یہ بیان فرمایا کہ یہ کل کا آیا ہوا رکھا ہے۔ آج پوسٹ میں سے تحقیقات کی اور لکھا نے کی مہر کو دیکھا تو یہ ۱۲ مارچ کا حیدرآباد پہنچا ہوا ہے۔ یہ عجیب ماجرا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نوکر اسے رکھ کر بھول گیا۔ غصہ ہے آپ اب تک اس کے جواب کے انتظار کی زحمت اٹھا رہے ہوں گے۔

غالب کے خطوط کے حلق آپ کو یہ معلوم کر کے غصہ ہو گا کہ میں نے ان دونوں کی نقلیں مولوی عبدالحق صاحب کے پاس در سالارہ میں چھپنے کے لیے بھیج دیں۔ تین لکھے ہوئے وہ حیدرآباد تکسٹ لائے تھے۔ ان خطوط کو پورا ان کے نام ملے ہوئے کو دیکھ کر بے چین ہوئے اور مجھ سے نقلوں کی فرمائش کی۔ میں نے فوراً اس کی تعمیل کر دی۔ خدا جانے وہ ان کو جولائی کے نمبر میں پہنچائیں گے یا اکتوبر کے نمبر میں۔ جولائی کا پرچہ نو زکب خانے میں موصول نہیں ہوا، تاہم میں اصل خطوط آپ کی خدمت گرامی قدر میں بھیجے دیتا ہوں۔ آپ بھی انہیں ملاحظہ فرمائیں اور ایک ایسی قلیل قیمت پر طبع فرمائیں جس کا مجھے علم نہیں لیکن جو مالک خطوط کو بہت زیادہ ناگوار نہ گزرے۔ آپ کو انکی چیزوں کا وسیع تجربہ ہے اور قیمت کے حلق آپ کا فیصلہ میرے نزدیک نہایت معتبر ہو گا۔

میں نے غالب سی کا ایک خط اور نکالا ہے اور وہ من قریب حیدرآباد آنے والا ہے۔ میں اسے جیسے جناب کی خدمت میں روانہ کر دوں گا اور عبدالحق صاحب کو نہ دوں گا، اس لیے کہ مجھے یہ معلوم کر کے نہایت مسرت ہوئی کہ آپ کے (۹) اس قطع کے اور تفہات موجود ہیں اور آپ ان کو

طبع فرمانے کا قصد رکھتے ہیں۔

میرے پاس غالب کا ایک خط نہایت طویل تقریباً ۲۰ یا ۲۵ صفحے کا اور ہے۔ اسے میں خدمت میں بھیجا ہوں۔ یہ مطلوبہ رقعات میں شامل نہیں ہے، لیکن جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے ۱۸۶۵ء میں ایک مہرچہ خود غالب کی حیات میں چھپ چکا ہے۔ اس کی نقل حکیم احسن اللہ خاں غدار نے کرائی تھی اور یہ ہی نقل ہے۔ ۵۰ سال کے بعد اور نایاب ہونے کی وجہ سے یہ بھی تقریباً نیا ہے۔ خواہ آپ اس کو خرید لیں خواہ اس کی نقل حاصل فرمائیں۔ اگر آپ خرید لیں تو زیادہ مناسب ہے۔ میرے پاس غالب کے رقعات، نقارچہ اور اشعار کا ایک مختصر سا انتخاب بھی پہنچا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں اپنے سابق حریفے میں اس کا ذکر کر چکا ہوں یا نہیں۔ یہ انتخاب خاص غالب کی قلم کا لکھا ہوا نہیں ہے لیکن کیا ہوا انھیں کا ہے۔ اس لیے کہ شروع میں غالب نے اپنی طرز خاص میں ایک دیباچہ اور آخر میں ایک خاتمہ تحریر فرمایا ہے۔ دیا ہے میں وجہ یا ضرورت انتخاب کی صراحت کی ہے۔ یہ دونوں عبارتیں بالکل نئی چیزیں ہیں۔ نقارچہ تمام مطلوبہ ہیں لیکن خطوط میں ایک خط اردو نے معطلی کی کسی اڈیشن میں نہیں نکلا اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ بھی نیا ہے۔ اس انتخاب میں رقعات کے بعد وہ ایک نظمیں اور ایک۔۔۔ دکایت بھی ہے۔ ان کا ذکر مولوی حالی نے یادگار غالب میں فرمایا ہے لیکن نہایت سرسری طور پر۔ غالب نے انھیں کو اپنی عبارت اور عظافت کے ہر ایسے میں لکھا ہے۔ ہر حال آپ ان باتوں کو خود ہی دریافت فرمائیں گے۔ میں نے انتخاب کے مولد کا مقابلہ اردو سے معطلی کی ہمارے مختلف اڈیشنوں سے کیا ہے۔ یہ بھی خدمت والا میں مرسل کرتا ہوں۔ چاہے آپ اس کو خرید لیں یا اس کی نقل لے لیں یا انقول کی ایک نقل ہی قیمت ادا فرمائیں اور اصل کو واپس فرمائیں۔ خطوط و انتخاب کے مالک پر میرا قصور اسازور ہے میں اس سے کام لے سکتا ہوں۔ یا آپ کی اجازت ہو تو میں ان کی قیمت ادا کروں آپ صرف نقول حاصل فرمائیں لیکن آپ ان کو اپنے مجموعے میں طبع ضرور فرمائیں۔

قاری برہان کا لکھ میرے ساتھ حیدر آباد میں ہے، اس کی قیمت صرف پانچ روپے

ہے۔ اسے آپ خود ہی لے لیں۔ اگر کوئی دوسرا نسخہ دستِ یاب ہو گیا تو یونیورسٹی کے لیے بھیج دوں گا لیکن مجھے امید مطلق نہیں۔ اسے بھی پورا نسخہ رجسٹری خدمت گرامی میں بھیج رہا ہوں۔

شرح قصائد سودا گین یا چارون گزرد سالہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر اردو میرے ایک دوست سید حفیظ صاحب کے پاس بھیج چکا ہوں۔ اسے سید صاحب نے ۲۵، (۵۰ عیسوی) میں خرید لیا۔ چھوٹی سی کتاب تھی۔ کچھ قصائد اور مثنویات وغیرہ کی شرح تھی۔ میں نے اسے بھی نہایت کارآمد پایا تھا اس میں اشعار متن بھی درج تھے جو مطلوبہ کلیات سودا و انتخاب کلیات میں عام طور سے غلط ملتے ہیں۔ اس کی نسبت میں نے تحریک کی ہے ماسے چھپوایا جائے۔

دو ان صاحب دہلی میں ایک صاحب کے پاس ہے۔ میں نے اس کو نہایت غلت کی نظر سے دیکھا تھا اور مجھے اس کی قیمت بھی معلوم نہیں۔ اب کوشش کر کے حیدرآباد منگائے لیتا ہوں۔ مزید تفصیل اور قیمت سے جناب کو مطلع کروں گا۔ نوامیہ نگار کا حال کسی اور عرضے میں عرض کروں گا۔ باقی کتابوں کی قیمت ایک دوسرے پر تہہ در تہہ کرتا ہوں۔ ان میں سے بعض کتب مختلف دوسروں پر دہلی چند نصاب اور تہہ کر، شعرا کے لیے مولوی عبدالحق صاحب نے اور طبقات الشعراء کے لیے سید حفیظ صاحب نے فرمائش کی ہے۔ مولوی صاحب نے چند نصاب کی قیمت پر اعتراض کیا ہے اور میں نے اس اعتراض کو مالک کتاب کے پاس بھیج دیا ہے۔ دیکھیے کیا جواب آتا ہے۔ اگر آپ کی یونیورسٹی کو بھی بعض قیمتیں زیادہ معلوم ہوں تو مجھے ضرور مطلع فرمائیے لیکن میں ان کو ان صاحب کے ہاتھ فروخت کروں گا جن کی بولی سب سے زیادہ ہوگی۔ اس لیے کہ جہاں میرا ایک جانب ضروری فرض ہے کہ انہیں محفوظ کر لیا جائے، وہاں یہ فرض بھی ہے کہ کتاب کے مالکان کو قیمت میں نقصان نہ پہنچے۔

جو کتابیں آپ کے پاس خرید لی جائیں گی ان کی قیمت ادا ہونے سے قبل میں ان کو آپ کی خدمت میں پیسے کے ذریعے بھیج دوں گا۔ آپ نے ان کو ایسا ہی پایا جیسا میں بٹا چکا ہوں تو اس کے بعد آپ قیمت بھیجے گا انتظام فرما دیں۔ سخت قہر ہے کہ یا خیر وغیرہ کی کتابوں پر آپ کی

یونیورسٹی نے توجہ نہیں کی۔ یہ تمام کتابوں سے زیادہ ضروری ہیں خاص کر دینی سوسائٹی کی کتابیں تو اصول ہیں۔ یہ نسخے کہیں کھل گئے تو پھر کہاں سے آئیں گے اور پھر ان کے آپ کی یونیورسٹی میں تحقیقاتِ مذہب اور ادب اردو کیوں کر ممکن ہوگی۔ آپ کے ارشاد کے مطابق میں ان کے لیے لکھنؤ، اعظم گڑھ وغیرہ لکھوں گا۔ مجھے ان کتابوں کی مددائی کا بڑا اصرار ہے۔

میں نے ڈاکٹر عبدالحق صاحب کو آپ کی ہدایت کے خلاف آپ کا پیامِ اسلام نہیں پہنچایا۔ انھوں نے آپ کی مہربانیوں اور پے در پے طلوعوں کو پرو فیضر مار گولیجھ کی تائید و تلافی اور اپنی خوبی و لیاقت پر محمول فرمایا ہے اور اس کا چرچا چاہتا کیا ہے۔ حالانکہ جس زمانے میں میں نے آپ کی خدمت گرامی قدر میں ان کے متعلق عریضہ لکھا ہے تو یہ مجھے کی بے ایمانیوں اور سخت بے انصافیوں سے بھارتِ بالاں تھے اور دھماکے کے موقع کو ایک نعمت خیال فرماتے تھے بلکہ اگر میرا علم، عقیدہ نہیں ہے تو آپ کی مہربانی کا آفر نہ آنے کی صورت میں شاید دس سال تک ان کو پرو فیضری کا گریڈ نہ ملتا۔ گڑھ دھماکے کا معاملہ پیش نہ آتا اور اگر آتا تو اور پیاس کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتے تو مجھے ان کی ترقی سے بے حد خوشی ہوتی لیکن اب تو ایک شکایت ہی پیدا ہو گئی ہے۔ میں آپ کی نظروں میں اپنے آپ کو بھی کسی قدر نامد بھگتا ہوں۔ میں نے ان سے اس معاملے میں دہلی کے خط کے بعد کوئی ذکر نہیں کیا، اس سبب سے آپ کا پیام پہنچانے سے بھی قاصر رہا۔ مولوی غلام نبی داور محمد ابراہیم صاحب ان کے ماتحت کر دیے گئے ہیں، دونوں سرکشی پرستے ہوئے ہیں۔

حیدرآباد کے حالات آپ نے اخباروں میں ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔ یہاں اس پریش کو ایک خطرہ عظیم سے تعمیر کیا جاتا ہے۔ خدا کرے جو کچھ ہو، مسلمانوں کی بہتری کے لیے ہو۔ امید کہ حزانِ جلالہ بھائییت ہوگا۔

خادم سید سجاد

خط آج ڈاک میں ڈال رہا ہوں، کل رجسٹری کے

ذریعے سے (۱) غالب کے اصل خطوط (۲) خطِ مطبوعہ ۱۸۶۵ء

(۳) انتخاب غالب (۴) برہان قاطع سمجھوں گا۔ آج روضہ نری کا وقت نہیں رہا۔

(۲)

حیدر آباد

۳۰ دسمبر ۱۹۲۶ء

مخدومی و مہتری زادہ صاحب آداب عرض۔

والا نامہ مجھے دوپہر قبل مل گیا تھا۔ آپ کی عنایت و توجہ کا شکریہ۔ میں یہ جواب خدمت کرای میں بہت تعویق کے بعد بھیج رہا ہوں۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ آپ کی مطلقہ کتب میں سے کتنی کتابیں طبقات اشراء، شعراء عرب اور تاریخ ابوالفدا میرے پاس حیدر آباد میں موجود نہیں ہیں۔ ان کا مجھے دہلی سے انتظار تھا۔ اور دوسرا سبب یہ کہ کمال ایک عشرے سے میری طبیعت ناساز ہے۔ میں کالج بھی نہیں جا رہا ہوں۔ آج بڑی ہمت کر کے یہ عریضہ لکھتے بیٹھا ہوں لیکن انیسویں ہے کہ وہ کورالہ صدر کتب ابھی تک دہلی سے وصول نہیں ہوئیں۔ ان کے مالک نے گزشتہ تین ماہ میں ان کے پہنچنے کے متعلق مجھے دمرجہ لکھا اور دوسرے سخت منتظر رکھا مگر وعدہ پورا کر کے نہ دیا۔ شاید اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنی پہلی کتابوں کے فروخت ہونے اور ان کی رقم پہنچ جانے کے منتظر ہیں۔ اس کے بعد وہ ان کتابوں کو روانہ فرمائیں گے۔ یہ کتابیں ان کے پاس موجود ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ ان کو میرے سوا کسی صاحب کے ہاتھ نہیں بچیں گے۔

میرا ارادہ تھا کہ جو کتابیں میرے ساتھ حیدر آباد میں ہیں وہ حسب الارشاد آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا مگر آپ کو یہ معلوم کر کے انیسویں ہو گا کہ میں نے یہ ارادہ بترک کر دیا ہے۔ چند روز ہونے میں نواب صدر یار جنگ شروانی صاحب سے ملا تھا۔ دوران گفتگو میں ان سے ان کتابوں کا ذکر بھی آیا اور جب ان کو علم ہوا کہ میں انھیں منکر ب آپ کی خدمت میں ارسال

کرنے والا ہوں تو وہ بہت صدم ہوئے اور کہا کہ ان کتابوں پر پہلے حکایہ یونیورسٹی کا حق ہے، اس کے بعد کسی اور کتب خانے کا۔ میں نے یہاں کی مشکلات بیان کر دیں تو انھیں رنج ہوا اور پھر یہ کہا کہ میں بافضل وطن جا رہا ہوں، وہ اپنی پر میں خود کوشش کر کے انھیں کالج کے کتب خانے میں ضرور داخل کروں گا۔ آپ ان کتابوں کو اپنے پاس محفوظ رکھیں۔

جناب کو یاد ہو گا کہ میں ان کتابوں کو اپنے علی کالج کے لیے اور اپنی ضرورت سے لایا تھا، لیکن جب میں یہاں سے واپس ہو گیا تھا تو میں نے آپ کی خدمت والا قدر میں عرض بھیجا تھا۔ اب یہ صورت پیدا ہو گئی ہے، اس لیے مجھے سید ہے کہ اذرا بد وقت اور دہر دی آپ میرے اس فضل کو خلاف طبع گرامی محسوس نہ فرمائیں گے اور شرعاً فی صاحب نے جو وعدہ فرمایا ہے اس کے پورا ہونے کا موقع عطا فرمائیں گے۔ تاہم قاطع القاطع جو خاص آپ کی ضرورت کی کتاب ہے یہ ذریعہ رجسٹری خدمت میں بھیجتا ہوں۔ اس کی رسید سے اطلاع بخشیں۔ اس کے سوا کوئی اور کتاب جو قاطع القاطع کی مانند خاص آپ کے کام کی ہو اس کے نام سے آگاہ فرمائیں تو شرعاً فی صاحب کی ہدایت کے ہا وجود میں اسے بھی آپ کی خدمت میں ضرور بھیج دوں گا۔

طبقات، عرب اور اہل فقہ کی نسبت ایک خط میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کے نسخے میں نے اپنے کتب خانے میں دو سال پہلے داخل کرا دیے ہیں۔ جن نسخہ جات کا مجھے دہلی سے انتظار ہے وہ آپ کی خدمت میں بھیج سکتا ہوں، اس لیے جب وہ موصول ہو جائیں گے تو آپ کے پاس روانہ کروں گا۔

آپ کے ارشاد کے مطابق اب کے پھرے میں ساطع برہان، تنقیح جہیز، سعادت علی اور سیاح کی تحریریں دہلی میں تلاش کروں گا اور کام پائی ہوئی تو آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ مجھے ۱۸ کی پیچیدگی ہوئی ایک اردو سے سنی کا ہانا لگا ہے۔ یہ ہاتھ آگئی تو اس کا حال آپ کو کہوں گا اور اردو سے سنی کے اصل نسخہ کے متعلق بھی تحقیقات کروں گا لیکن یہ جملہ امور دہلی جانے پر موقوف

”استحاب“ کا مقابلہ میں نے جن چار اڈیشنوں سے کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں (۱) مطبوعہ کلکتہ نوے کا چھاپہ ۱۸۸۳ء (۲) مطبوعہ کلکتہ (۳) ال آباد لور (۴) لاہور۔ نام مطبوعہ خط عام (۵) کوئی ہے جس کی آپ نے نشان دہی فرمائی ہے۔ مجھے جو کچھ یاد ہے وہ یہ ہے کہ نام مطبوعہ خط ماقبل آخر یا اس سے قبل کا خط ہے۔ وہ بیاچہ، مختص اور نقل و کتابت کے سوا باقی قطار پڑا، درختات مطبوعہ ہیں۔ ”استحاب“ کے پہلے درجہ کا ایک چھوٹا سا کٹرا اڑا ہوا ہے۔ میرے پاس بھی اسی حالت میں پہنچا تھا۔ قاطع القاطع کی قیمت بھی مرہ ہے۔ قاطع برہان اور اس کی قیمت میں سے آپ کا جو مزاج چاہے وہ وہ کم کر دیجیے۔ مالک نے کسی کو منظور کر لیا تو آپ کو مطلع کر دوں گا۔ ”استحاب“ خطوط نامہ مطبوعہ اور نامہ غالب کی قیمت میں نے دریافت کی تھی۔ یہ جواب آیا کہ ان کی قیمت ہی کیا۔ اس کا دارودار خریدار کی ضرورت اور ذوق پر ہے۔ گویا قیمت مجھے پھر نہ معلوم ہو سکی۔ میری رائے میں آپ اپنے انداز سے ان سب کی ایسی قیمت مقرر فرما کر بھیج دیجیے جس میں آپ کو نقصان کا اندیشہ نہ ہو، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہو گا۔

خادم سید سجاد

(۳)

حیدر آباد

۱۳ مارچ ۱۹۰۹ء

محمد وحی شفقتی زادہ خطہ۔ آداب عرض۔

تین چار روز ہوئے آپ کا تفصیلی محتاج نامہ اور کل ایک کارڈ صادر ہوا۔ آپ کا شعر گزار ہوں کہ کتابوں کے خدمت میں نہ پہنچے کو آپ نے شکایت کا موجب قرار نہ دیا۔ جن کتابوں

کے دو ہر سدا ہرے نئے ہاتھ آئیں (۱۰) انھیں آپ کی خدمت میں ضرور پیش کروں گا اور آئندہ قیام دہلی میں آپ کی ضرورت کی تمام چیزیں تلاش کروں گا۔

اردو نے سہلی مطبوعہ ۱۸۵۹ء کانٹو دہلی کے قریب سے ایک صاحب کے پاس حیدر آباد میں پہنچا ہے، لیکن انھوں نے اس کو نہیں دیکھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس میں رقعات کی تعداد کم ہوگی۔ بہر حال جب میں اسے دیکھ لوں گا تو پورا حال آپ کی خدمت گرامی میں پہنچا دوں گا۔

نکتہ ۱۸۸۳ء کانٹو جو ہمارے کتب خانے میں موجود ہے وہ آپ ہی کے زمانے کا ہے۔ کھنوی اڈیشن بہت پرانی ہے، اسے نول کشور نے چھاپا ہے۔ اس میں رقعات کے دونوں حصے ہیں لیکن اس کا کاغذ ناقص، کھائی چھپائی بری اور کتابت کی غلطیاں بے شمار۔ لاہور کی ایڈیشن حال کی ہے۔

لوہاری دروازہ مہارک علی کتب فروش نے چھاپی ہے۔ یہ بھی دونوں حصوں پر مشتمل ہے اور کھنوی اڈیشن سے بدرجہا بہتر ہے۔

”دلہائے“ میری کچھ میں بھی نہیں آیا۔ مجھے یقین نہیں کہ مولوی غلام جان نے DELHI کو اردو میں اس طرح لکھا ہو یا اس کا ترجمہ کیا ہو۔ یہ سچے راہین ہے اور مولوی غلام جان کی طبیعت اور وضع داری کے متافی ہے۔ ان کا مطبع، جہاں تک مجھے یاد ہے، محلہ روڈ گران میں واقع تھا۔ یہ محلہ نہایت وسیع ہے۔ اس میں ایک جگہ درسہ کہلاتا ہے۔ مولوی صاحب کا مکان اور ان کی جائیداد خود اس میں اور اس کے قریب کی تھی (کنڈا)۔ گردو پیش کی گلیوں میں ایک گلی میر داری ہے، ایک اعلاہ جن صاحب، ایک محلے کا کواس زیادہ مشہور ہیں۔ روڈ گران کا بہت بڑا حصہ میری والدہ کی خضیال کی ملکیت تھا۔ میں اس کے ایک ایک کمر سے واقف ہوں، لیکن یہاں ”دلہائے“ نام کا کوئی مقام نہیں۔ عکس سے غالباً آپ کی ہراڈو نو گراف ہے، لیکن یہ عکس عجیب قسم کا ہے کہ اس میں مولوی صاحب کے نام کا جزو ”مو“ (جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے) ”نہو“ اترا ہے۔ بہر کیف اگر آپ پوچھناں ”دلہائے“ کو ملنے فرمانے کی سخت ضرورت تصور فرمائیں تو مجھے اطلاع دیجیے۔ میں مولوی صاحب مرحوم کے صاحب زادے یا ایک اور معتبر شخص ڈاکٹر رام سنگھ کے لڑکے (اور بچہ حکیم

فضل معین سے دریافت کر کے صحیح حال خدمت گرامی میں حاضر کروں گا۔

قاطع القاطع کے پہنچنے کا علم ہوا۔ مجھے اس امر سے بے حد خوشی ہے کہ اس قسم کا سوا آپ کے جیسے ہاتھوں میں محفوظ ہو گیا۔ خطوط اور کتابوں کی جو مجموعی قیمت آپ نے تجویز فرمائی ہے وہ میرے نزدیک مطلق درست ہے۔ میں اس باب میں مشورہ و بنا مہت سمجھتا ہوں۔ آپ دونوں میں سے چھوٹے میزان کی رقم میرے پاس بھیج دیجیے، میں اسے مالک کے پاس منی آرڈر کروں گا۔ کوئی بات نقلی تو میں خود ہی اس کو طے کروں گا۔ اور اگر کوئی خاص اور نہایت ضروری اعتراض پیدا کیا گیا تو آپ کی خدمت میں اطلاع بھیج دوں گا۔ بالفعل آپ اس سوا کا معاملہ طے کئے اور جس طرح سے حراج چاہے اس سے کام لیجیے، قاطع مطلق نہ فرمائیے۔ حضرت مالک کو جب میں آپ کی رقم سمجھوں گا تو یہ لکھوں گا کہ اس رقم میں نے فروخت کر دیں اور ان کی یہ رقم ملی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس صورت میں اگر ان کے دل میں رقم کے حقائق کوئی اختلاف وارد ہو گا تو یہ سمجھ کر کہ اس سوا ہو چکا ہے، وہ اسے زبان تک نہ لائیں گے۔ یہ خدا کا فرمان ہے کہ وہ اس کو نہ لے گا، بلکہ ان کی نیت کو انوار اول ہونے سے بچاتا ہو گا۔

ہاں وہ تیسرا خط جس کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا، ابھی تک مجھے وصول نہیں ہوا، حالانکہ اس کے مالک نے مجھے اس کی نسبت دو خط لکھے تھے اور بھیجنے کا حتمی وعدہ کیا تھا۔ آپ جو رقم ارسال فرمائیں، اس میں سے اس کی قیمت وضع فرمائیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ایک خطے میں اس کے ہم پہنچنے کا انتظام کر لیں گا۔ انشاء اللہ۔

میری طبیعت بالفعل اب درست ہے۔ میں گزشتہ دو سال سے طویل چلا آتا ہوں۔ پچھلے برس ایک انٹری کے ذمہ میں یعنی چاکر آپریشن بھی کرایا اور اس کی سخت تنگی میں جھیلیں مگر اب کچھ روز سے میں نے سعال لے کر بغیر معمولی انتظام کیا ہے۔

خدا سے امید ہے کہ جناب اللہ کا حراج گرامی بخیریت ہو گا۔

خادم سید سجاد

(۴)

کلک کوٹھی روڈ میدرا آباد

۱۸ نومبر ۱۹۶۱ء

مخدومی دھرمی زادہ صاحبہ

گرامی تاسعہ اور پوسٹ کارڈ کے جواب میں میں نے ایک عریض آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس بات کو شاید کئی مہینے گزر چکے ہیں لیکن آپ کا تحریرت نامہ موصول نہیں ہوا۔ امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوگا۔

انتخاب و قصات و اشعار مرزا غالب، جس کا مسودہ آپ کی خدمت عالی میں بھیج چکا ہوں، اس کے حلقے ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے اور اس کی اطلاع مجھے کل ہی ملی ہے۔ یہ مسودہ میرے پاس دو دہائی سال سے تھا۔ گزشتہ سال مولوی عبدالرزاق صاحب مددگار صدر محاسب جنھوں نے اقبال کے کلام پر ایک مہموط مقدمہ لکھا ہے اور پورا کلام کلیات اقبال کے نام سے شائع کیا ہے، میرے پاس تقریف لائے اور اپنے ایک پرچے کے لیے، جس کی نعتان ادارت اسی زمانے میں ان کے سپرد ہوئی تھی، مضمون مانگا۔ میں ان ایام میں حیدرآباد کے باہر جا رہا تھا، جلالت میں مضمون تو کیا لکھ سکتا تھا، میں نے یہ مسودہ ان کے حوالے کیا اور کہا یہ نایاب چیز ہے، آپ اسے دیکھ کر اس پر ایک نوٹ مرتب فرمائیے۔ وہ اسے لے گئے اور بھائے نوٹ ترتیب دینے کے مسودے کی پوری نقل لے لی اور بغیر میری اجازت کے اپنے پرچے میں، جو کل ہی شائع ہوا ہے، اسے نقل کر دیا۔ اور نہ صرف اسی مہربانی پر قناعت کی، بلکہ اس کے سونے طے شدہ چھپوا کر اسے دکن کی ایک انجمن ادب ادب کے سلسلے میں داخل کر دیا۔

اس کے شائع ہونے کا تو مجھے دُعا نہیں ہے، لیکن شاعرت نے جو صورت اختیار کی، وہ

قابل فہوس ہے۔ بہر حال وہ مسودہ اب آپ کے لیے بے کار ہو گیا، آپ اسے اپنے مجموعے میں

شامل نہ فرمائیں اور محتاجت فرما کر اسے واپسی فرمائیں۔ نیز خط وغیرہ کی قیمت میں سے اس کی قیمت وضع فرمائیں۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیریت ہو گا۔ والسلام

خادم

سید سجاد

(۵)

میدرآباد۔ کیم وکمبر (۱۱)

مخدومی دھرمی زادہ لکھنؤ۔ آداب عرض۔

گمراہی نامہ صادر ہوا۔ میں نے مبارک سے اسی وقت کہا ہے کہ عبدالرزاق صاحب کے پاس سے احباب کا ایک نوٹ خرید کر لے آئیں۔ امید ہے کہ یہ آج یا کل تک لے آئیں گے۔ آجائے گا تو خدمت میں بھیج دوں گا۔ اصل مسودے کو بافضل تو آپ اپنے پاس رکھ دیجئے، بعد میں اگر اس کی ضرورت نہ ہوئی تو مستقل طور پر آپ سے اپنے ہی پاس رکھیے گا۔ اس وقت تو مجھے اس کے متعلق ایک خفیف سی پریشانی یہ ہے کہ عبدالرزاق صاحب نے نہ اس کے چھاپنے کی اجازت لی اور نہ اس کے دام ادا کیے اور اسے اپنی انجمن کے مسئلے مطبوعات میں داخل کر لیا ہے اور مسودہ ہے ایک بڑے جھگڑا و حضرت کا۔ ان کو معلوم ہوا مسودہ اس طرح چھاپ لیا گیا ہے اور اس کے بعد انھیں دوم نہ پہنچیں تو ممکن ہے کہ وہ کچھ سر اٹھائیں۔ میں کوشش کروں گا کہ عبدالرزاق صاحب اس کی کچھ قیمت ادا کر دیں۔ اگر وہ وصول ہوگی تو پھر مسودہ آپ اپنے ہی پاس رکھیے گا، مجھے اس میں خوشی ہوگی۔

میں نے اس کے متعلق عبدالرزاق صاحب کو ایک نوٹ دیا تھا۔ انھوں نے اسے بھی اپنے نام سے چھاپ ڈالا۔ اور جب مجھ سے ملے تو یہ فرمایا کہ میں نے ایسا ایسا کیا ہے۔ چاہے

اسے سرتہ گنجیے یا کچھ اور۔ مجھے اس امر کا خود اساتق رہے گا کہ ایک چیز جو میں نے خدمت عالی میں بھیگی تھی، وہ میری ہی غفلت سے ناقص ہو کر رہ گئی۔

معلوم نہیں آپ کی یونیورسٹی میں محققین کا تقرر کس زمانے میں ہوتا ہے۔ اگر نامناسب نہ ہو تو میں محقق ہونے کے لیے درخواست بھیج دوں۔ میں دو سال سے ایم۔ اے میں بھی کام کر رہا ہوں بلکہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ایم۔ اے میں ہسٹری آف پرشین لٹریچر کا شعبہ بھی میرے سپرد کر دیا گیا تھا۔ جب سے ڈاکٹر نظام الدین آئے ہیں، وہ اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔

کیا مشنری گلشن عشق شیخ نصرتی (۱۰۶۸ھ ہجری بجا پور) کا کوئی نسخہ آپ کے پاس موجود ہے؟ نہ ہو تو اطلاع دیجیے۔ امید ہے کہ آپ کا حراج گری بخیریت ہوگا۔

خادم

سید جہاد

(۶)

گلشن کوٹلی روڈ

حیدرآباد ۲۹ جنوری (۱۴)

مخدومی و سکریٹری ذوالعادل

آپ کے دو عنایت نامے اور چند روپے کا منی آرڈر وصول ہوا۔ خدمت میں شکریہ لیکن براہ کرم انتخاب کا معاملہ طے شدہ تصور نہ فرمائیے۔ عبدالرزاق صاحب کے پاس سے مجھے خود کچھ نہیں وصول ہوا۔ وہ ایک بار آدمی بھی بھیجا تھا مگر انہوں نے یہ کہلوایا کہ میں طرہاً کرطوں گا اور اس کا جواب دوں گا۔

گلشن عشق کی بابت آپ نے جو سطر ایک لفافے کی پشت پر تحریر فرمائی تھی، اس کا

ضروری حصہ اک خانے کی ہر میں آ گیا اور ہاؤس کو کوشش کے مجھ سے چھان گیا۔ اگر اس میں کوئی بات ضروری اور جواب طلب تھی تو محتایت فرما کر پھر لکھ دیجیے۔ خدمت عالی میں جواب بھیج دوں گا۔

آپ کی تقریر بہت ہی کاہلیت مختصر بلکہ دھوراسدھور اقتباس بہت ہی کے اخبار اٹریڈی میل میں آیا تھا۔ میں نے صرف اسی کو دیکھا ہے۔ اگر آپ کا لکچر طبع ہوا ہو یا اس کی کوئی غلط کاپی آپ کے پاس موجود ہو تو محتایت فرما کر اسے میرے پاس بھیج دیجیے اور اگر آپ کی سرسل کاپی غلط نہ ہوئی تو دیکھنے کے بعد میں اسے آپ کے پاس واپس بھیج دوں گا۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج گرامی بخیریت ہو گا۔

خادم

سید سجاد

☆

میرے لیے یہ باعث افتخار بھی ہے اور سرمایہ سعادت بھی کہ ڈاکٹر صدیقی مرحوم جس مجموعے کو بہت زیادہ تعلق خاطر کے ساتھ طویل مدت تک چھاننے کی فکر کرتے رہے، مہری ناچیز کوشش کے نتیجے میں، دستہ ضروری اجزاء کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں شائع ہو سکا تھا۔ معلومات کی کمی کی وجہ سے اس کے مقدمے میں بعض امور کی صحیح طور پر نشان دہی نہیں ہو سکی تھی۔ اب ادارہ یادگار غالب (گراہی) کے درباب حل و عقد کی محتایت سے مجھے یہ موقع ملا کہ نئی معلومات کی روشنی میں اس کا مقدمہ از سر نو لکھوں اور اس طرح اس مجموعے کو بہتر طور پر اور مکمل طور پر پیش کر سکوں۔ اس طرح پچھلی اشاعت (مکتبہ جامعہ دینی دہلی، ۱۹۹۴ء) کی عرض مرتب میں اور مالک رام صاحب کے مقدمے میں جو غلطیاں راہ پائی تھیں، ان کی مکمل طور پر تصحیح کی جا سکے اور اس طرح مرزا غالب کے منتخب کلام نثر و نظم کا ایک اہم مجموعہ بہتر طور پر پیش کیا جاسکے۔

مالک رام صاحب کا مقدمہ اور حواشی، یہ دونوں چیزیں اس مجموعے کے سوا کہیں اور

نہیں چھپیں۔ میں نے یہ مناسب نہیں خیال کیا کہ اب یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ان کے مقدمے میں بعض باتیں صحیح طور پر بیان میں نہیں آ پائی ہیں: ان کے مقدمے کو شامل نہ کروں۔ مسلم صدیقی نے یہ سب کاغذ میرے پاس بھیجے تھے، یہ مقدمہ سانچی نے لکھوایا تھا: یوں اس کا شامل رہنا تو ضروری تھا: البتہ میں نے یہ ضرور کیا کہ ”عرض مرتب“ میں ایسے مقامات کی نشان دہی کر دی ہے اور میری رائے میں یہ کافی ہے۔ صدیقی صاحب مقدمہ تو لکھ نہیں پائے تھے، یوں بھی مالک رام صاحب کے مقدمے کے شامل ہونے اور شامل رہنے کا جواز موجود ہے۔ مسلم صاحب نے مالک رام صاحب سے فرمائش کر کے حواشی لکھوائے تھے، اس لیے صدیقی صاحب کے حواشی کے ہوتے ہوئے بھی ان کی شمولیت کا جواز موجود ہے۔ سب سے بڑا جواز یہ ہے کہ مالک رام صاحب نے اپنے انداز سے حواشی لکھے ہیں جن سے بعض باتوں کی بہتر طور پر وضاحت ہوتی ہے۔

مرحوم صدیقی صاحب نے متن کی کتابت اپنی نگرانی میں اور مالک رام صاحب کے مقدمہ حواشی کی کتابت مسلم صاحب نے اپنی نگرانی میں کرائی تھی، یوں میں نے ان تینوں تحریروں کو جوں کا توں رکھا ہے۔ یہ چند صفحے ”عرض مرتب“ کے عنوان سے محض اس لیے لکھے گئے ہیں کہ بعض امور کی وضاحت ہو جائے اور بعض لفظ فہمیاں رفع ہو جائیں۔ آخر میں مخطوطے کا کس بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اس سے اس مجموعے کے وقار اور اعتبار میں اضافہ ہوگا۔ جامعہ اولیٰائن میں اس کا کس بہت صاف اور واضح طور پر آیا ہے: توقع کرتا ہوں کہ زبرد نظر اشاعت میں بھی اس کی وہ خوبی برقرار رہے گی۔

پہلے مالک ضروری وضاحت تو رہ گئی۔ مخطوطے میں اس کا کوئی نام نہیں بلکہ رکیوں ہوتا۔ مرزا غالب نے اس کا کوئی نام لکھا ہی نہیں تھا۔ مسلم صاحب نے جو کاغذات میرے پاس بھیجے تھے ان میں کئی جگہ اسے ”انشائے غالب“ کے نام سے یاد کیا گیا ہے: اس سے کچھ ایسا خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ نام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم کا تجویز کیا ہوا ہوگا۔ غالب اسی نسبت سے مالک رام صاحب نے اپنے مقدمے میں اسے ”انشائے غالب“ کے نام سے موسوم کیا ہے (راشد صاحب

نے اس کا نام ”انتخاب غالب“ رکھا تھا اور رضا صاحب نے اس کا نام ”انتخاب رقعات و اشعار غالب“ مناسب سمجھا۔ میں نے ”نکستائے غالب“ کو سرخ خیال کیا ہے، اس لیے یہ مجموعہ اسی نام سے شائع کیا گیا تھا (مکتبہ جامعہ اڈیشن) اور اسی نام سے شائع کیا جاتا ہے۔

بڑی نا انصافی ہوگی اگر میں اس کا اعتراف نہ کروں کہ اس مجموعے کی ترتیب کے سلسلے میں محبتِ مکرّم ڈاکٹر عبدالحق راجہ نے بہت اصرار کیا، مگر تا کیدی خط لکھے۔ ایک خط میں لکھا تھا:

یہ ہر حال رقعات و اشعار غالب کا نیا ایڈیشن نکلتا چاہیے اور اُسے آپ نکالیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور مالک رام، دونوں کے ساتھ بے انصافی ہوگی۔ اگر آپ کی توجہ سے یہ رسالہ شائع ہو گیا تو چوں کہ میں روح کی بھاکا قائل ہوں، یقین رکھتا ہوں کہ دونوں کی رو میں آپ سے خوش ہوں گی۔“

توجہ کی چاہتی ہے کہ غالب شاعروں کے حلقے میں انکسائے غالب کی اس نئی اشاعت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

رشید حسن خاں

شاہ جہان پور

۸ جون ۲۰۰۱ء

حواشی:

۱۔ مالک رام حقد۔

۲۔ اس کی تحصیل ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے حواشی میں بدور مالک رام کے حقد سے اور حواشی میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۳۔ کافی دیر گپتا رضا صاحب نے لکھا ہے: ”اس بات کی بھی کوئی تصدیق مجھے نہیں ہو سکی کہ کتاب غالب نے مولوی غیاث الدین خاں کی فرمائش پر کبھی ”انتخاب رقعات و اشعار غالب“ (۲)۔

۴۔ اس سلسلے میں مالک رام صاحب نے اپنے حقد سے میں نے لکھا ہے: ”معلوم نہیں مولوی غیاث الدین خاں نے

بہت غالب سے یہ انتخاب طلب کیا ہے تو ان سے کیا کیا تھا لیکن غالب کی شروع اور آخری بیڑوں کے دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ ان کے خیال میں یہ چیز یہ کھڑا صاحب کا نقل کشف بہا اور غالب کے قلم ہونے والی (کذا) تھی باقی لیے انھوں نے دیکھا ہے میں بہت عادت بنا صاحب بیاں کرنے کے بعد کچھ مطالبات بھی پیش کر دیے۔

۵۔ ڈاکٹر بن راجہ جی صاحب نے میرے نام ایک خط میں لکھا تھا: ”انتخاب غالب کا اصل نسخہ ڈاکٹر صدیقی مرحوم نے مجھے دکھایا تھا۔ یعنی کے ایک کارخانے میں وہ طباعت کا ذکر بھی فرماتے رہے۔ یہ کسی وجہ سے غفلت ہو سکتا تو خود انھوں نے اشاعت کے لیے اس کی کتابت کر لی۔ ایک بار الٹا یاد کیا تو وہ اجزا انھوں نے دکھائے۔“ اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ مرحوم اسے کبھی میں چھپانا چاہتے تھے۔ یہ بھی حقیقت ہو جاتا ہے کہ بعد کا اصل مخطوطے کی کتابت انھوں نے خود ہی کر لی تھی (جسے اگلے غالب کے پاس لائبریری میں اور نہ نظر اشاعت میں شامل کر لیا گیا ہے)۔

۶۔ میرے سامنے اصل خط کی نقل ہے جو ڈاکٹر صدیقی کے صاحب زادے مسلم صدیقی صاحب کے قلم سے ہے۔ خطاطی ہے مگر اس کا قلم قریباً دوسرے خطاط سے مختلف ہے۔ میں نے ضروری مہارت نقل کی ہے۔ یہ مکمل خط رسالہ نقوش (لاہور) کے خطوط نمبر کی تیسری جلد میں ۱۹۶۸ء میں چھپ چکا ہے۔ مطلوبہ خط دور اس کی کھول پانچ نقل کے متن کا بہت میں نے مقابلہ کیا تو دونوں میں کچھ فرق نہیں پایا۔ اسی خطوط نمبر کی تیسری جلد میں صدیقی صاحب کا ایک اور خط بھی چھپا ہے جو عروسی صاحب کے نام ہے مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۳۳ء۔ یوں تو اس کتاب (بنام عروسی صاحب) میں بھی ”انتخاب غالب“ کا ذکر آیا ہے مگر اس میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس بحث میں مدد سے کام کی ہو۔ اس لیے میں نے اس کتاب بنام مالک نام صاحب کو اس لحاظ سے پہلا خط کہا ہے۔

۷۔ مالک نام صاحب کی کتاب ”اکبر غالب“ کے چوتھے ایڈیشن (کچھ جلد ۱۹۶۴ء) میں حقیقتاً غالب کے قصے صرف یہ مہارت لکھی ہے: ”غالب نے جولوٹو مولوی ضیا مالدین صاحب کے لیے لکھا وہاں انھیں دیا تھا۔ یہ ان کے کتاب خانے سے دست لاپ ہو کر کسی طرح عارضی طور پر کتاب خانہ میرزا اقلی صاحب کے ہاتھ آ گیا۔ انھوں نے اسے حرب کر کے۔۔۔ شائع کر دیا۔“ (ص ۲۸)

۸۔ ”ذکرہ معاصرین“ حصہ دوم کے مقدمے میں انھوں نے لکھا ہے: ”میرے نزدیک ہر جگہ حوالہ دینے کی

ضرورت تھیں۔ ہر اصحاب اس کے خلاف دائے رکھتے ہیں، میں ان پر بھی اعتراض نہیں کر سکتا۔ وہ ان کا طریقہ کار ہے اور یہ صراحت۔ اس سے پہلے ذکر سیاسی حوالہ پر میرا تبصرہ شائع ہو چکا تھا اور پٹنابریہ بات اسی سلسلے میں لکھی گئی ہے۔

۹۔ پٹنابریہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد لفظ "پاس" لکھنے سے رد کیا ہے۔

۱۰۔ پٹنابریہ آئیں کے "ہوا جاوے" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "کے" لکھنے سے رد کیا ہے۔

۱۱۔ اس خط میں مندرجہ ذیل لکھی۔ اس کی پیمائش پر " (۱۹۳۶ء) " لکھا ہوا ہے اور یہ ٹائپ ڈاکٹر عبدالغفار صدیقی کے قلم سے ہے۔

۱۲۔ مندرجہ ذیل لکھی۔ اس پر دائیں طرف " (جنوری ۱۹۳۷ء) " مرقوم ہے۔ یہ ٹائپ ڈاکٹر عبدالغفار صدیقی کے قلم سے ہے۔

مقدمہ

مالک رام

مرحوم دلی کالج میں عربی کے ایک پروفیسر تھے مولوی ضیاء الدین خاں۔ انھوں نے تعلیم بھی دلی کالج ہی میں پائی تھی۔ عربی میں مولوی مملوک اعلیٰ ثانوی کے شاگرد تھے۔ ان کے علاوہ مفتی صدر الدین خاں سے فارسی پڑھی۔ وہ غنئی ذکا والا اور ذہنی تذبذب احمد دہلوی کے ساتھ کے بچے والوں میں سے تھے۔ تینوں نے بوائے نام پایا۔ تینوں شمس العلماء کے خطاب سے مفتخر ہوئے۔ ذہنی تذبذب احمد دہلوی اور مولوی ضیاء الدین خاں کو انصاریوں کی دوستی (انگلتان) کی طرف سے ایل ایل ڈی کی اعزازی سند بھی ملی۔

ان کا نام ذہنی تذبذب احمد کے نام سے ایک اور طرح سے بھی وابستہ ہے: یہ دونوں دلی کالج میں تعلیم کے آخری درجے میں تھے، اور ان کی تکمیل کا زمانہ قریب تھا۔ ان ایام میں سر جرج ڈیمیل (جو بعد کو گورنر ہوئے) پنجاب کے خلیج گجرات کے ذہنی کشف تھے، انھوں نے اپنے خلیفے میں تعلیم کی توسیع کا ایک منصوبہ بنایا۔ اس وقت یہاں یو پی میں (جو اس وقت ملائکہ شمال مغرب کہلاتا تھا) تعلیم کے شعبے کے کربا دھرتا ہنری اسٹوارٹ ریڈ تھے۔ ڈیمیل نے ریڈ کو کھسا کہ میں یہاں خلیج گجرات کے مختلف شہروں میں مدارس جاری کرنا چاہتا ہوں: ان میں بچے سنانے کے لیے مجھے جیسے (۶) مولوی درکار ہیں: ان کا انتظام کرو دیجیے۔ دلی کالج بھی ریڈ صاحب کے دائرہ اقتدار میں تھا۔ لہذا ریڈ نے پرنسپل صاحب کو کھسا کہ ڈیمیل کی فرمائیں پوری کی

جانے اور مجھے مولوی صاحبان پنجاب بھیج دیے جائیں۔

یہ خبر یہاں کالج میں بھی پھیل گئی۔ نذیر احمد اپنے درجے کے بہترین طلبہ میں سے تھے۔ امتحان میں ہمیشہ اول یا دوم رہتے۔ انھیں یقین تھا کہ ان مجھے کے انتخاب میں میرا نام ضرور آنا ہی چاہیے اس لیے انھوں نے کسی طرح کی کوشش نہیں کی اور اپنی جگہ مطمئن بیٹھے رہے۔ اور لوگوں نے ہاتھ پاؤں مارے اور اپنے آپ کو نامزد کرالیا۔ چنانچہ جب اعلان ہوا تو نذیر احمد منہ دیکھتے کود پھٹے رہ گئے۔ ان کا نام مجھے کی فہرست میں نہیں تھا۔ انھیں اس کا بہت رنج ہوا کہ مجھ سے کم استعداد کے لوگ انتخاب میں آ گئے اور مجھے نظر انداز کر دیا گیا ہے لیکن اب خاموش ہو رہنے کے سواے اور کیا کر سکتے تھے اب جو اصحاب پڑھتے گئے تھے ان میں مولوی ضیاء الدین خان بھی تھے جو اپنے والد شیخ محمد بخش کے اثر و رسوخ کے بل بوتے پر منتخب ہوئے تھے۔

غرض دوسرے اصحاب کے ساتھ مولوی ضیاء الدین بھی پنجاب روانہ ہو گئے۔ لیکن انھوں نے سفر کے دوران میں ہیضہ کیا اور بہت سخت بیمار ہو گئے۔ ہارے دوداوش سے جان بچ گئی۔ لیکن اب انھوں نے پنجاب کی ملازمت کا ارادہ ترک کر دیا؛ سفر جاری نہ رکھا اور دلی واپس آ گئے۔ اس پر پرنسپل صاحب نے مولوی نذیر احمد کو طلب کیا، اور ضیاء الدین خاں کی جگہ پنجاب جانے کو کہا۔ یہ بھرے بیٹھے تھے۔ انھوں نے چھوٹے ہی اس نا انصافی کے خلاف اپنے غم، غصے کا اظہار کیا کہ اول مرحبہ مجھے کیوں نظر انداز کیا گیا تھا! بہر حال پرنسپل صاحب نے دل جبرئی کی اور سمجھا بجا کر انھیں راضی کر لیا۔ یہ بھی ضرورت مند تھے، جانے پر آمادہ ہو گئے اور پنجاب چلے گئے۔

مولوی ضیاء الدین خاں پچھلے بیٹے تھے دارودہ محمد بخش کے۔ یہ بمبئی دارا پور میں رہنے والے اور وہاں کے جاگیردار گھرانے کے فرد تھے۔ یہ خاندان ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں انگریزوں کا طرف دار رہا تھا۔ اس زمانے میں شیخ محمد بخش یہاں دلی میں "دارودہ" کے عہدے پر فائز تھے۔ وہ قلعہ رشہری خبریں پہاڑی دیمرج پر انگریزوں کی فوج کو پہنچاتے رہے تھے لیکن ان گراں قدر خدمات سے نفع اندوز شیخ محمد بخش کے نصیب میں نہیں تھی۔ دلی کی فتح کے بعد جس وقت انگریزوں کی فوج شہر میں داخل ہو رہی تھی، وہ بھی قماشادیکھنے کو اپنے مکان سے باہر نکلے۔ نہ جانے

گورے کو کیا حبیہ گزرا، اس نے ان کے گولی مار دی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔ بعد کو انگریز فوج نے اس الم تاک حادثے پر اپنے رنج و ملال کا اظہار کیا، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ انگلک شوئی کے لیے عمر بخش کی خدمات جلیلہ کے جلد و میں ان کے بیٹے ضیاء الدین کو کچھ اراضی جاگیر میں اور خطاب خان بہادرؒ عطا ہوا۔ اور جب کمال امن قائم ہو گیا، تو انھیں ملازمت بھی مہیا کی گئی۔ اولاً چندے نارمل اسکول میں پڑھاتے رہے بعد کو ۱۸۶۳ء میں دلی کالج میں عربی کی درس دتہ رہیں ان کے سپرد ہوئی۔ پھر جب ۷۷ء میں یہ کالج بند ہو گیا، تو وہ آکسفورڈ اسٹنٹ کیشنر کے عہدے پر منتقل ہوئے، جو اُس عہد میں ہندوستانوں کے لیے سرکاری ملازمت کی گویا معراج تھی۔ بالآخر انہیں سے پٹنہ پائی۔

مولوی ضیاء الدین خاں نے خاصی لمبی عمر پائی۔ وہ حج کرنے کو گئے تھے وہیں ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔ انھوں نے اپنی تالیف ”انتظام اردو“ (۸۹:۴) میں اپنا ایک خط شامل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس خط کی تحریر کے وقت تک شادی نہیں کی تھی۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ شادی بہت دیر سے کی ہوگی۔

ان کے چار صاحب زادے تھے۔ سوائے ایک مولوی محمد منور الدین کے کوئی باپ دادا کا نام روشن کرنے والا نہ ہوا۔ محمد منور الدین دریا گنج، دلی میں رہتے تھے۔ صاحب علم آدمی تھے، فقہ حنفی میں خاص طور پر اچھی دستکار و حاصل تھی۔ انھوں نے ملائے حنفیہ کی متعدد کتابوں سے اخذ و اقتطاع کر کے شرع اسلام کا ایک مجموعہ ”فتاویٰ ثنائیہ“ کے نام سے مختلف حصوں میں شائع کرنا شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے غالباً صرف چار حصے منظر عام پر آئے: (۱) کتاب الحج والذریعۃ (۲) کتاب الصوم والا حکاف (۳) کتاب الخیرات (دلی ۱۹۳۳ء، ۱۳۵۳ھ) (۴) کتاب الزکات (دلی ۱۹۳۹ء، ۱۳۵۸ھ) ان میں سے صرف آخری دو حصے میری نظر سے گزرے ہیں۔ کتاب الزکات کے شروع میں سر شاہ محمد سلیمان کا دریا چھٹی موجود ہے۔

(۲)

۱۸۶۶ء میں حکومت کی طرف سے مولوی ضیاء الدین خاں کو ایما ہوا کہ وہ اردو کا ایسا

نصاب مرتب کریں، جو نوہ اردو فنی افسروں کو اردو پڑھانے کے لیے موزوں ہو۔ اس پر انھوں نے مختلف نثر نگاروں کی تحریروں سے مضامین منتخب کیے اور غالب سے درخواست کی کہ وہ اپنے چند خطوط اور کچھ نثر مکتوبات کریں تاکہ انھیں مجوز و نصاب میں شامل کیا جاسکے۔

اس پر غالب نے یہ زیرِ نظر مجموعہ (انشائے غالب) مرتب کیا۔ انھوں نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا: پہلے حصے میں دو دیباچے، ۱۲۰ خط، دو نظمیں اور ایک لطیفہ ہے، دوسرے حصے میں انھوں نے اپنے اردو کلام سے ۳۱ شعر انتخاب کیے ہیں۔ یہ سب چیزیں تو ان کے پاس موجود ہی تھیں، صرف انتخاب کی ضرورت تھی، اس کے علاوہ انھوں نے ان پر نئے دیباچے اور خاتمے کا اضافہ کیا۔ انھوں نے یہ کتابچہ کاتب سے خوشخط کھسوا یا اور نظر ثانی کے بعد اسے مولوی ضیاء الدین خاں کے حوالے کر دیا۔

معلوم نہیں، مولوی ضیاء الدین خاں نے جب غالب سے یہ انتخاب طلب کیا ہے تو ان سے کیا کہا تھا لیکن غالب کی شروع اور آخر کی غزلیں کے دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ ان کے خیال میں یہ چیز منگواؤ صاحب فیض کاشغر بہادر پنجاب کے پیش ہونے والی تھی۔ اسی لیے انھوں نے دیباچے میں حسبِ عادت، اپنا حسبِ ذہن بیان کرنے کے بعد کچھ مطالبات بھی پیش کر دیے ہیں۔ ان کی یہ درخواستیں تو منظور نہ ہوئیں، البتہ اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ جب اس کے بعد لکھنؤ گورنر پنجاب نے دربار کیا تو فوجیوں کے لیے نصاب کی تیاری کے سلسلے میں انھوں نے جو مدد دی تھی، اس کے اعتراف میں انھیں خاص طور پر خلعت عطا کیا گیا۔

مولوی ضیاء الدین خاں نے جو کتاب مرتب کی تھی، اس کا نام انھوں نے ”انشاء اردو“ رکھا۔ یہ کتاب دو حصوں میں چھپی تھی: پہلا حصہ ”افرانِ فوج کے درجہ اولیٰ کے امتحان کے واسطے“ اس میں ۶۰ صفحات ہیں۔ دوسرا حصہ ”افرانِ فوج کے درجہ اعلیٰ کے امتحان کے واسطے“؛ یہ ۱۰۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں حصے پہلی مرتبہ ”شیخ احمد کے اجتماع سے مطبع فیض احمدی میں“ ۱۸۶۶ء میں چھپے تھے۔ بعد کو ایک اور ایڈیشن ۱۸۷۲ء میں لاہور کے ”مطبع سرکاری“ میں بھی چھپا۔

مولوی ضیاء الدین خان نے غالب کا میرا کردہ سارا مواد استعمال نہیں کیا۔ اس میں سے صرف خطوط ان کی "انشاء ہارو" کے دوسرے حصے یعنی "افسرانِ فوج کے درجہ اعلیٰ" کے نصاب میں شامل ہیں۔ غالب نے اس مجموعے میں ۱۲ خط شامل کیے تھے۔ مولوی ضیاء الدین خان نے ان میں سے صرف دس خط "انشاء ہارو" میں لیے ہیں، بقیہ تمام مواد انکم و نثر انھوں نے نظر انداز کر دیا۔ لیکن "انشاء ہارو" (حصہ دوم) میں ایک خط لاکھ بھی ہے، جو غالب کے اس مجموعے میں نہیں ملا۔ یہ خط حسب ذیل ہے:

جناب بابو صاحب جمیل الساقب محیم الاحسان سلامت
 نیاز صبر کی شان و دعا سے درویشانِ قبول فرمائیں۔ ایک دن پہلے
 عقد نامہ اور دوسرے دن نعتِ آغاز ہنگامہ پہنچا۔ نظر اس عقد پر کو تاخیر پر، خط
 کو پھول اور کتاب کو پھل سمجھا۔ پھول سے نشاط تازہ اور پھل سے لذت
 ہے اندازہ ہو پائی۔ جامِ جم، جہاں نما ہو گا۔ مگر کیا چاہیے کیا ہو گا؛ بلکہ اسی میں
 تر دو ہے کہ نہ ہو گا یا ہو گا۔ جامِ جہاں نما، یہ کتاب ہے، جس سے ہر وہ دور
 بہرہ یاب ہے۔ یہاں تو میں مدح میں قاصر رہا۔ یہ میں نے کیا کہا! جس
 طرح وہ دور چڑھ کر خطا اٹھا سکتا ہے، مٹا بیٹا بھی سن کر لطف پا سکتا ہے۔ فیض
 اس کتاب کا عام ہے۔ جامِ جہاں نما اس کا چھانام ہے۔

اسٹنٹ کسٹمر صاحب بہادر کی خدمت گزاری اور اشاعت
 عام میں مددگاری اور بعدِ غزوہ انکار ہے۔ مگر فقیر میں تین عیب ہیں: ستر برس
 کی عمر؛ کانوں سے بہرا؛ ہمیشہ بیمار ہے؛ آمد و رفت دوام میں قاصر۔ اور جو
 تحریر وہاں سے آیا کرے گی، اس کی مشورہ میں حاضر رہے گا۔ یہ نہیں
 ہے کہ نجاؤں گا۔ آنکھوں سے جاؤں گا، مگر حسبِ الطلب یا حسبِ
 ضرورت، ناکر گزار و فرما ضرور ہوں گا۔

بہر صورت تعجب ہے کہ صاحب اسٹنٹ بہادر نے مجھے یاد

کیوں نہ کیا، بلا کیوں نہ لایا؟ یقین ہے کہ جب آپ یہ خط اپنے نام کا حضرت کی خدمت میں بھجوا دیں گے تو وہ مجھے بے تکلف بالیس کے۔

فقط

حنایت کا طالب غالب

یہ خط کس بابو صاحب کے نام ہے؟ ممکن ہے کہ یہ ماسٹر بیارے لال ہوں، جو پہلے دہلی سوسائٹی کے سکریٹری تھے اور بعد کو سرکاری ملازم ہو کر ۱۸۶۳ء میں لاہور چلے گئے تھے۔ انھوں نے قیام لاہور کے زمانے میں میجر فلڈز انٹرکولر تعلیم و جناب کی فرمائش پر دہلی کے کچھ ادیبوں سے کتابیں لکھوائی تھیں۔ چنانچہ غوث غالب نے ”نکات غالب و رقعات غالب“ ماسٹر بیارے لال ہی کے کہنے پر مرتب کی تھی۔ اس خط میں غالب نے ایک کتاب ”جام جہاں نما“ کے تختچنے کی رسید لکھی ہے۔ میری نظر سے اس عنوان کی ایک کتاب کا دوسرا حصہ گزرا ہے۔ یہ جغرافیہ کے موضوع پر ہے اور ایک ہندی کتاب بھوگول ہستا ملک کا ترجمہ ہے۔ ہندی کتاب کے مصنف اور اردو مترجم ایک ہی شخص بابوشیو پرشاد ہیں۔ یہ کتاب مطبع نول کشور، لکھنؤ میں ۱۸۶۰ء میں چھپی تھی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہاں اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے یا کسی اور کی طرف۔ اگر اسی جغرافیہ کی کتاب کا ذکر ہے تو یہ پرانی شائع شدہ کتاب بیچنے سے شاید یہ مقصود ہو کہ غالب سے بھی اسی طرح کی کوئی چیز لکھوانا منظور تھا۔ لیکن یہ سب قیاسات ہیں، یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

یہی غالب کا موصوفی نسخہ مولوی ضیاء الدین خان نے اپنی ”انشاء اردو“ کے لیے مسودے کے طور پر استعمال کیا تھا اور اسی سے کاتب نے کتابت کی تھی۔ اس میں بعض جگہ حاشیے پر صفحات کے نمبر اب بھی موجود ہیں، جو بالعموم کاتب اپنی یادداشت کے لیے حاشیے میں لکھ دیتا ہے۔ خط غلطی نسخے کے ص ۳۰ پر ۸۱ کا نشان ہے: ص ۳۲ پر ۸۳ کا نشان ہے اور صفحات کے یہ نشان مطبوعہ ”انشاء اردو“ (مصدوم) کے مطابق ہیں۔

اس کے علاوہ غلطی نسخے میں متعدد خطوں کے سامنے حاشیے پر ”نقل“ ”نوشہ شد“ ”مقابلہ مسودہ شد“ — الفاظ ملتے ہیں۔ یہ یا تو خود مولوی ضیاء الدین خان کے قلمی ہیں، یا اس شخص

کے جو ان کی طرف سے کتابت کی گرائی کر دیا تھا۔ ان سے مراد یہ ہے کہ کسی نے کتابت کے بعد ان کا اصل مسودے سے مقابلہ کر لیا ہے۔

مولوی صاحب موصوف نے غلطوں کی عبارت میں حسب غلط تہذیبی کر لی تھی۔ بعض الفاظ کاٹ دیے، کچھ بدل ڈالے، بعض جگہ سطروں کی سطریں خارج کر دیں۔ ان سب کی نشاندہی حواشی میں کی جا رہی ہے۔ عبارت یا الفاظ بالعموم وہی حذف کیے گئے ہیں، جن میں ولایت سے آنے والے فوجی افسروں کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی، یا جس سے انگریزی نظم و نسق پر حرف آتا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے املا میں یہ تبدیلی کی کہ جہاں بھی اعراب بالحروف کے اصول کے مطابق غالب نے پیش کی جگہ دو لکھا تھا، انہوں نے اسے حذف کر دیا۔ غالب نے ہر جگہ ”تھکو“ لکھا تھا، انکا مار دو میں اس کی شکل ”تھکو“ ملتی ہے۔ اسی طرح جہاں غالب نے روپیہ لکھا تھا، انہوں نے اسے روپے بنا دیا۔

اس کتاب کی خاص اہمیت یہ ہے کہ یہ غلطوہ غالب کا سب سے پہلا مجموعہ ہے اور وہ بھی خود غالب کا مرتب کردہ۔ عواد ہندی اور اردو سے ملتی، دونوں حیدرآباد محلو سے بہت بعد ۱۸۶۸ء اور ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئے۔ اگرچہ اس کے سب خط میر محمدی بحروح کے نام ہیں، لیکن نہ جانے کیسے، ان میں سے ایک خط بعد کے دونوں مجموعوں میں شامل نہیں ہوا۔ یہ خط نمبر ۱۰ ہے۔ یہ پہلی مرتبہ اسی غلطی سے لے کر مرتب ”انکائی غالب“ (ڈاکٹر عبدالستار محمد علی) نے غلطوہ غالب مرتبہ قشقی بھیجش پر شاد میں شامل کیا تھا (طبع اول (۱۹۳۱ء): ۲۸۳ (خط نمبر ۳۵)؛ طبع دوم (۱۹۶۲ء): ۳۳۳)

(۳)

حسن اتفاق سے غالب کے انتخاب کا یہ غلطی نسخہ ”انکا مار دو“ کی ترحیب و اشاعت کے بعد مولوی ضیاء الدین خاں کے ذخیرے میں محفوظ رہا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی کتابوں سے یہ برآمد ہوا اور ایک صاحب اسے لے کر حیدرآباد پہنچے۔ وہاں انہوں نے اسے مولوی محمد عبدالرزاق راشد کو دکھایا اور انہیں بتایا کہ وہ اسے چھپنا چاہتے ہیں۔ راشد مرحوم حکومت نظام کے دفتر مال میں

ملازم تھے۔ انھیں ادنیٰ ذوقی بھی تھا۔ وہ نسخے کو دیکھ کر اس کی اہمیت تو بھانپ گئے لیکن وہ اس کے لیے کچھ دیا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے مالک سے کہا کہ اسے مختصر وقت میں اسے دیکھنا محال ہے، آپ اسے چھوڑ جائیے، میں اطمینان سے دیکھ کر فیصلہ کر سکوں گا کہ آپ اس میں کوئی نئی چیز ہے بھی یا نہیں اور اس کی قیمت کیا ہونا چاہیے۔ بات معقول تھی۔ مالک اس پر راضی ہو گیا اور نسخہ ان کے حوالے کر کے چلا آیا۔ مختصر سی چیز تھی۔ راشد صاحب نے راتوں رات اس کی نقل لے لی اور جب مالک اگلے دن ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ کہہ کر کہ اس میں کوئی اہم اور نئی چیز نہیں ہے۔ انھوں نے غلطی فضا سے واپس کر دیا۔

اس کے دو چار دن بعد وہ شخص اسے لے کر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پاس پہنچا۔ بیان دونوں وہاں محتانیہ ہوئی اور سنی کالج کے پرنسپل تھے۔ انھوں نے الٹ پٹ کر اسے دیکھا تو فوراً جان گئے کہ یہ مجموعہ خود غالب کا مہرب کیا ہوا ہے اور اس میں جا بجا غالب کے ہاتھ کی تحریریں بھی ہیں؛ اور اس لحاظ سے بہت اہم ہے۔ انھوں نے مالک کو اس کے لیے دس روپے پیش کیے۔ چونکہ راشد صاحب نے اس شخص کو بتایا تھا کہ اس میں کوئی اہم چیز نہیں ہے اور اس میں کا سارا سامو ملوث ہو چکا ہے اس لیے اس نے ان ۲۹ صفحات کے لیے ڈاکٹر صدیقی کے لیے دس روپے بھی بہت قیمت خیال کیے اور ان کی پیش کش قبول کر لی۔ یوں یہ نسخہ ڈاکٹر صاحب کی تحویل میں آ گیا۔

راشد صاحب نے اپنی نقل پہلے تو تین قسطوں میں حیدر آباد کے دسمالے "تھن" میں چھپوائی۔ (اکتوبر نومبر، دسمبر ۱۹۲۶ء) اس کے بعد اس پر ایک مختصر دیباچہ لکھ کر اسے کتابی شکل میں پہ عنوان "انتخاب غالب" شائع کیا۔ (چشتیہ پریس، حیدر آباد ۱۹۲۶ء) چونکہ انھوں نے نقل بہت کثرت میں کی تھی، اس لیے اس میں بہت غلطیاں رہ گئی تھیں۔ بعض جگہ فقرے تک ساقط ہو گئے، بعض الفاظ غلط لکھے گئے۔ غرض کہ ان کا شائع کردہ متن بہت جگہ سخ ہو گیا ہے۔

یہ مختصر رسالہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے پاس چلا رہا۔ وہ وہ دن اس کی طرف "انتخاب غالب" کے نام سے اشارہ کرتے رہے، جیسا کہ خطوط غالب (طبع اول) کے شروع میں مفتی بخش پرشاد کے نوشتہ "دیباچہ" سے پورہی کے حواشی سے ثابت ہے۔ بہت دن ہوئے میں نے انھیں

توجہ دلائی تھی کہ اسے مناسب طریقے پر مرتب کر کے بہ عنوان "انشائے غالب" شائع کرو دینا چاہیے لیکن ان کی انتہائی احتیاط کی عادت اور اس پر معیار کی بلندی، کام بہت آہستہ آہستہ ہوا۔ بہر حال جوں توں کر کے کچھ حواشی انھوں نے لکھ لیے تھے، وہ غالب اس پر دینا چاہے یا مقدمے اور مزید حواشی کا اضافہ کرنا چاہتے تھے کہ تیار نہ گئے۔ جس سے کام بالکل رک گیا۔ اور پھر وہ "اللہ" کو پیارے ہو گئے۔ اب اس پر ان کی طرف سے کسی اضافے کا امکان نہیں رہا تھا لہذا فیصلہ کیا گیا کہ اسے جوں کا توں شائع کر دیا جائے۔ اور بھی کیا چارہ ہے۔

(۴)

داستان مکمل کرنے کو آخر میں ایک اور بات بھی لکھ دوں:

غالب نے ۱۸۶۳ء میں "قاطع برہان" شائع کی، تو اس پر ملک کے فارسی دان حلقے کی طرف سے ان پر بہت اعتراض ہوئے۔ کئی اصحاب نے کتابیں تالیف کیں۔ خود غالب نے اور ان کے بعض دوستوں نے بھی جواب لکھے۔ یہ بحث بہت دن تک چلی۔ اسی سلسلے میں غالب نے ایک استحقاق لکھا تھا، جو رسالہ "سوائے عبدالکریم" کے ساتھ ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے اپنے نظریے کی صحت سے متعلق اساتذہِ اُدلی سے تصدیق چاہی تھی۔ مثلاً اور اصحاب کے انھوں نے مولوی ضیاء الدین خان کو بھی تانیہ کے لیے لکھا تھا۔ چونکہ مطبوعہ استخارہ کے آخر میں مولانا حسین ان کا نام نہیں لکھا، اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالب انھیں غالب کے تحفظ خیال سے اتفاق نہیں تھا یا انھوں نے کسی اور وجہ سے استخارہ کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرنا خلاف مصلحت خیال کیا۔

اس کے باوجود جب ۱۸۶۶ء میں مولوی ضیاء الدین خان نے غالب سے یہ نصاب مرتب کرنے کے لیے علمی امداد کی درخواست کی، تو انھوں نے پوری مستعدی اور ذمہ داری سے ان سے تعاون کیا۔ جس سے یہ بڑے نظر رسالہ (انشائے غالب) جو جو میں آیا۔

جن لوگوں نے غالب کی "قاطع برہان" کا جواب لکھا تھا، ان میں ایک صاحب مولوی امین الدین امین بھی تھے۔ انھوں نے اس کے جواب میں ایک کتاب "قاطع القاطع" شائع کی تھی۔ اس کتاب میں انھوں نے غالب پر بہت دُرِ یکھٹلے کیے اور ان سے متعلق بہت شرم ناک الفاظ

استعمال کیے تھے۔ ان جنگ آمیز کلمات کی بنا پر غالب نے ۱۸۶۷ء میں مولوی امین الدین پر اڑھنے
 حبیب عرفی کا مقدمہ دائر کر دیا۔ مولوی امین الدین نے اپنی طرف سے صفائی کے جو گولہ پیش کیے،
 ان میں مولوی ضیاء الدین خاں اپنے علم و فضل اور اثر و رسوخ اور وجاہت کے باعث پیش پیش
 تھے۔ انھوں نے مدعا علیہ کے بچانے کی خاطر قاضی اعتراض لفظوں اور جملوں کو نرم کرنے کی کوشش
 کی۔ وہ ایسی ایسی دور کی کوڑی لائے اور انھوں نے ان لفظوں کے ایسے دور انداز معنی بیان کیے کہ
 بمسٹریت جو انگریز تھا، ضرور بھول بھلیاں میں پھنس گیا ہوگا۔ غالب نے جب یہ رنگ دیکھا تو
 انھیں یقین ہو گیا کہ عدالت سے انصاف کی امید نہیں۔ اس پر انھوں نے راضی نامہ داخل کر دیا اور
 مقدمے سے دست بردار ہو گئے۔ حالی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

”ان مولویوں کا (جو مولوی امین الدین کی طرف سے بطور
 گواہ پیش ہوئے تھے) میرزا سے ملنا جلتا تھا۔ کسی نے پوچھا: حضرت! انھوں نے آپ کے برخلاف شہادت کیوں دی۔ میرزا نے اپنا قاری کا یہ
 شعر پڑھا:

ہر آن کہ درگیری، جز بہ جنس ماکل نیست
 عیار ہے کسی من شریف نسبی ست

یہاں میرزا کا اشارہ مولوی ضیاء الدین خاں (اور مولوی سدید الدین) کی طرف ہے، جنھوں نے ان کے خلاف گواہی دی تھی۔

مالک دام

نئی دہلی

۲۱ دسمبر ۱۹۷۲ء

ملا دام و شکا مہدہ آج کل کے حقانے دار کے برابر تھا۔ اسٹی دام پر کاٹو اس سڑک کے شمال میں ہے جو دہلی سے
 مختلف تڑھ کو جاتی ہے۔ اب دہلی کی نئی سڑکیوں میں یہ گانہ بھی ماحب اوتا جا رہا ہے۔ لیکن جوڑاس کا نام چاہتا
 ہے اس کی شہزادی زمین جانی پاشا مولی گھر اور سدوشن پارک میں آگئی ہے۔

متن

انشائے غالب

مرتبہ

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ کتاب جو دو باب کی ہے حقیقت یہ اس کتاب کی ہی پہلی باب میں دو دیباچے اور کئی مکتوب ہیں اگر میری لکھی ہوئی ہوتی تو میں کہتا کہ بہت خوب ہیں دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام اسی خاکسار کا ہی اگر کوئی خط اردو زبان میں لکھا جائی اور اشعار میں سی شعر محل و مقام کی مناسب صحت کیا جائی اور یہ مجموعہ عند اوس جناب رفعت مآب کے ہی جس کے عزت و توقیر فاضل کشنری پجاکے ناقد عالیشان علم و اہل علم کی تدر و ان نیکانہ روزگار جنکا مطبع و محکوم ہونا اہل

اہل ہند کو سرمایہ عزت و افتخار والا پایہ عالی رتبہ علی القاب حضرت
فلک رفعت مملوڈ صاحب بھادر فنانشل کسٹرن بھادر قلم و پنجاب
پس یہ کتاب اگر انکی حکم سی چھاپی جاگی تو صاحبان تازہ دار
ولایت کی پڑھنی کے کام آگی اس کتاب کا نذر کرنی والا جو اپنے
نذر کی قبول ہونیکا طالب علم نصر الدیک خان بھادر رئیس
سونا کا بہتجا موسوم بہ اسد اسد خان و متخلص بہ غالب یہ
تیسری چچا کی سرداری اور ریاست کا حال اور گورنمنٹ بھادر
اعلیٰ سی خاص میری ملازمت اور تذکر اور خلعت کی کیفیت
گورنمنٹ اعلیٰ کے دفتر میں مرقوم ہے اور میری قصیدہ کا جناب
مستطاب لارڈ آلن برا بھادر کی ذریعہ سی وزیر اعظم کی پاس
پہنچنا اور حضرت قدر قدرت شہنشاہ بھر بدر ملکہ معظمہ محترمہ کے
حضور پر نور میں گزرنا از روی شاہدہ خطوط آمد ولایت جو بیل ڈاک
مجبو ولایت سی آئی ہیں گورنمنٹ بھادر ہند ستان کو معلوم ہے
البتہ میں اسکا مستحق ہوں کہ کوئیس پوئیش گنا جاؤں اور اس
علاقہ سی ایک نیا نام اور نئی عزت پاؤں اگر رتبہ بڑھایا جائے

ستیم عزت میں تو فرق نہ آئی نظم ای جہان آفرین خدای کریم
 صانع ہفت چرخ و ہفت اقلیم نام مکھوڈ جنگا ہی شہور نہ ہمیشہ بعد
 نشاط و سرور نہ عمر و دولت سی شاوان رہیں نہ اور غالب پسران رہیں

پیدا ہے

سبحان اللہ خدا کی کیا نظر منہ روز صنفین ہیں تعالیٰ اس کی
 حیرت آوردتدین ہیں یہ جو حدائق العشاق کا فارسی زبان سی
 عبارت اردو میں نگارش پانا ہی آرم کا زمین دنیا سی ادھکر
 بہارستان قدس کا ایک بلغ بن جانا ہی وہاں حضرت رضوان
 ارم کی نخل بند و آبیار ہوئی یہاں مزار حبیب علی بیک صاحب سرور
 حدائق العشاق کی صحیفہ نگار ہوئی اس مقام پر یہ ہرچیز جو موسوم
 بہ اسداند خان اور مخاطب بہ نجم الدولہ اور متخلص بہ غالب خدا
 جہان آفرین سی توفیق کا اور خلق سی انصاف کا طالب ہے ہاں ای
 صاحبان فہم و ادراک سرور سحر بیان کا اردو کی نشرین کیا پایہ ہے
 اور اس بزرگوار کا کلام شاہد معنی کی واسطی کیا گران بھاپیرا ہے
 نظم رزم کی داستان گر سینے نہ ہی زبان ایک تیغ جو ہر دار نہ رزم کا

بزم کا التزام گزیکھی نہ ہی مسلم ایک ابرگوربارہ نہ مجکو دعویٰ تھا کہ انداز
 بیان دشوخی تقریر میں منانہ عجائب بنی نظیر ہی جس نے میری دعویٰ کو
 اور منانہ عجائب کی کیتاسی کو مٹایا وہ یہہ تحریر ہی کیا ہوا اگر ایک
 نقش دوسرے کا ثانی ہی یہہ تو ہم کہہ سکتی ہیں کہ نقاش لاثانی ہی ہوتے
 نقاش بمعنی صورتیں بنا کر پیمیری کا دعویٰ کری کیا عقل کے کمی ہی یہ بندہ
 خدا معنی کے تصویر کہنچکر دعویٰ خدا سنی نہ کری کس حوصلہ کا آدمی ہی
 سچ تو یوں ہی کہ جناب ہمارا جہ صاحب والا مناقب عالی شان
 ایسری پرشاد نار این سنگہ بھادر جس باغلی آرایش کے کار فرما ہوں
 آدہ پر او سپر طرہ یہ کہ مرزا سرور حین آرا ہوں وہ باغ کیسا ہوکا
 بہشت نہوکا تو اور کیا ہوکا کوئی نہ کہی کہ یہ روشیں گوشہ نشین فضول
 و سبکسرکون ہی تی دیکھی بہالی حضور کا شاگستر کیوں ہی صاحبو
 حاتم سی مہنی کیا دولت پائسی ہی کہ اوکی سخاوت کی شاکر تی ہین
 رستم سی کہان شکست کھائی ہی کہ اوکی شجاعت کا ذکر کیا کرتے
 ہین مہمذا جناب ہمارا جہ صاحب حمیل المناقب عیم الاحسان
 بابو یرسدہ زائن کا مورد عنایت رہا ہوں جن دنوں وہ دلی میں

تشریف لائے ہیں اکثر اوقات شریکِ صحبت رہا ہیں جب شام کا
 اور بیکانگی درمیان نہ ہو تو آؤں گا نیاز مند کیون انکا ثنا خوان نہ ہو
 نہیں نہیں میرا کیا منہ ہی ثنا خوانی کا تین تو عاشق ہوں انکی شاعر پر
 و سخندان کا حضور نے قدردانی کے سرورنی گھر نشانی کی حضور کا اقبال
 سرور کا کمال حضور کی عالی بہتی سرور کی خوش قسمتی انشا اللہ تعالیٰ
 نقش صفحہ روزگار پر یادگار رہی گا مصنف کا مشہور رنگین بیانیں
 ہمارے عالی جاہ کا نام فیضِ رسانی میں تار و شمار رہے گا.....

دیباچہ دوسرا

سبحان اللہ شاہ زیبای سخن کا حسن بی مثال شاہن اوسکا نور انری
 نگاہ تصور او کا انجمن اندر خیال از روی لفظ اہل معنی کے نظر میں آئینہ عاض
 جمال من حیث المعنی بصورتِ صنعتِ قلبِ کلام کا مغلوب یعنی کمال
 اگر نفسِ ناطقہ کو حق نے بصورتِ انسان پیدا کیا ہوتا تو اس صورت
 میں ہم کیونکر کہیں کہ کیا ہوتا اس بختِ دلفریب کے نظارگی بی باہرست
 ہو جاتے اور یہ ہر پیکرِ ہوش رہا دیکھ کر اہل معنی کی قلم صورت پرست ہو جاتے
 نظم میں اور ہی روپِ نثر میں اور ہی ڈھنگِ فارسی میں اور ہی زمرہ

زمزمہ اردو میں ادہ ہی آہنگ سیر و توارخ میں وہ دیکھو جو تم سے
 سینکڑوں برس پہلی واقع ہوا ہوا فساد و داستان میں وہ کچھ سنو
 کہ کبھی کسی نے نہ دیکھا ہو نہ سنا ہو ہر چہ خردمندان بیدار مغز تواریخ
 کی طرف بالطبع مائل ہونگی لیکن قصہ کہانی کی ذوق بخشی و نشاط انگیزی کے
 ہی دل میں قابل ہونگی کیا توارخ میں متنوع الوقوع حکایات نہیں نا آہستہ
 کرتے ہو یہ کچھ بات نہیں تمام اپنی مسر زند کو پہاڑ پر پکواوی سیرغ
 اوسکو اپنی گھونسل میں اوٹھا لائی پردش کر کی پہلوان بنائی کو اب
 حرب و ضرب سکھای چہر جب رستم اسفندیار کی لڑائی سسی گہرائی تو
 زال اوس اسم بی سسی کو بلای سیرغ گردان کو توڑ کی طرح سیٹھی کے آواز
 سنتی ہی چلا آئی اور اپنی بیت کی لپے یا اور کسی دعا سسی رستم کے
 زخم اچھی کر کے ایک تیر دو شاخہ دیکر تشریف لیجای رستم دس برکی غریز
 مست ہاتھی کو ہلاک کری جب شہم بد دور جوان ہو تو دیو سپید کو تہہ خاک
 کری فرعون کا دعویٰ خدائی مشہور ہی شداد و نرود کا ہی توارخ میں ایسا
 مذکور ہی اگر اہل طبیعت ایک پہلوان زبردست حمزہ دیکھش رستم جیسا
 قرار دین آو ایک زمرہ شاہ گمراہ دعویٰ خدائی کرنی والا مثل نرود گہر لہن

تو گویا ایک ڈھکوسلا بنایا ہی مگر اچھا بنایا ہی اونہیں رعایات کا چربا اٹھا آہ
 مگر اچھا ادٹھایا ہی موغلت و پند نہیں ترہات ندیا نہ ہی سیر و اخبار نہیں
 جو مٹا فساد ہی داستان طرازی نہ ملد فنون سخن ہے سچ تو یہی کہ دل
 بہلانے کی لئی اچھا فن یہ ہے عجز کے عیاریان دیکھو حمزہ کی میدان داریان دیکھو
 جامع ان حکایات کا کوئی سخنور ایران کا ہی مگر وہ میر تقی میر شاہی جو ندیم بون
 الدولہ اسحق خان کا ہی ادب سنی بوستان خیال میں کچھ اور تماشا دکھلایا گویا
 بارغ ادم کو ہندستان میں لایا اون قصص میں کسی ایک جلد ہی نرمانہ
 واہ ری بزم و رزم و سحر و طلسم حسن و عشق کے گرنی ہنگامہ مزار الدین کی طلسم
 کشایان اگر بسنین تو ایر حمزہ کے یہ صورت ہو کہ اپنی صاحب قرانی کو ڈھونڈ
 پہرین اور کہین پتہ نہ پائیں ابوالحسن کے عیاریوں کی جوہر اگر دیکھیں تو خواجہ عمرو
 کو یہ حیرت ہو کہ زیرہ کسی آنکھیں کھلی کے کھلی رہ جائیں در دیو لا میر برادر زادہ
 سعادت تو امان خواجہ بد الدین خان عرف خواجہ امان کہ وہ ایک
 جوان شیریں بیان تیز ہوش آور ہرن کے کمال کے تحصیل میں سنی کش
 و سخت کوشش ہی ہستار کا خیال جو کیا تو ایسا بجایا کہ میان تان سین
 کو آنکھیں پھر نہ پایا مصوری کی طرف جو طبیعت آگئی تو وہ تصویر کہنی کہ اوسکو

پہنچی کہ اس کو دیکھ کر مانی و ہزار کو حیرت آئی اوس اقبال آثار کا یہ
 ارادہ ہوا معزز نامہ کی فارسی کے اردو کرنی پر آمادہ ہوا معزز الدین
 فیروز بخت کی کشور کشایان ابوالحسن جوہر کی نینگ نہایان
 عجائبات حکیم قسطاس کے حیرت خزایان لکھ نہو بھار کی زلمین ادایان
 جمشید خود پرست کی زور آزمایان صنادکوں منخوس کے بیجیایان
 مسلمین و کفار کی لڑایان مسلمانوں کی بہلایان کافروں کے
 برایان فارسی سی اردو میں لی آیا یوں تصور کرو کہ تمل و اردو میں
 ایک قصر دلکش یا ایک خانہ باغ روح افزا ستراسب بنایا عبارت الہی
 کو ترک کیا ہی گویا تقریر کو پیرایہ تحریر دیا ہی بعد راحت تمام نگارش
 غالب خلک زدہ سی دیا چہ لکھنی کے آرزو کی میں فی ہر چند عجز آمیز
 و معذرت آئینہ گفتگو کی بیداد گری ایک بات نشئی اور ایک عذر
 نہانا بہلا اس اصرار کا کیا علاج اور اس ضد کا کیا ٹھکانہ بھلا چاہا
 بجز خامہ فرسائی کچھ بن نہ آئی اس دیا چہ کی انجام کا کوئی ٹہنگ نظر
 نہ آیا عالم ارواح کو سیدہ چلا گیا اور حضرت نظامی سی ایک شعر
 مانگ لیا اوسے شعر شعری شعار کو خاتمہ میں لکھ دیتا ہوں بہت

تہک گیا ہوں اب دم لیتا ہوں نظم شکر کہ این نامہ بعنوان رسیدہ
پیشتر از عمر بپایان رسیدہ

رقعہ

ما نصاحب تم کیا چاہتی ہو کیا لکھوں تم میری مہم نہیں جو سلام لکھوں
مین فقیر نہیں جو دعا لکھوں تکتو وہ محمد شاہی روشن پسندین کہ یہاں
خیریت ہی دہا کی عافیت مطلوب ہے برنور دار سج کیو اگلو کی خطوط کے چاہ
تھر کی یہی طرز تہے یا اور فادہ کیا شیوہ ہی اور پر جت تک دیون نہ
لکھو کو یا وہ خط ہی نہیں ہے چاہ بی آب ہے آب باران ہی نخل میوہ ہے
خانہ بی چراغ ہی چراغ بی نور ہی ہم جانتی ہیں کہ تم زندہ ہو تم جانتی
ہو کہ ہم زندہ ہیں امر ضروری کو لکھہ یا نہ اید کو موتوف کیا میفریہ الدین
ایکبار آئی تھی پر نہ آئی۔ تشر فارسی نئے مین نے کہاں لکھی کہ تمہاری چچا
کو یا تکتو بیج دون نواب فیض محمد خان کی بجائی حسن علی خان مرگے
حامد علی خان کے ایک لاکھ میس ہزار کیے سو دہیر کی ڈکری بادشاہ
پر ہو گئی۔ تکتو داروغہ بیمار ہو گیا تھا آج اوسنی غسل صحت کیا باقر علیخان
کو مہینا بہر سی تپ آتی ہی حسین علیخان کے گلی میں دو غرود

آتش فشاں، غار نور، لکھنؤ

غدد ہو گئی ہیں شہر چپ چاپ نہ کہیں پہاڑا بچتا ہی نہ سڑک
 لگا کر کوئی مکان اڑایا جاتا ہی نہ آہنی سرک آتی ہی نہ کہیں درہ بنتا ہے
 دلی شہر نموشان ہی کا غذبہ کر کیا ورنہ تمہاری دلی خوشی کی واسطی ہے
 اور لکھتا یکشنبہ ۲۲ ستمبر

رقعہ

بہائی حق تو لڑکون کی سی باتیں کرتی ہو جو ماجرا میں نے سنا تھا وہ ایستہ
 موجب تشویش تھا تمہاری تحریر سی وہ تشویش رفع ہو گئی پہر تم کیون
 ہی داویلا کرتے ہو اوپر کا حاکم موافق ہے ماتحت کا حاکم جو مخالف تھا سو گیا
 پہر کیا قصہ ہی قاطع برہان کی سودی سب میں نی پھار ڈالی اس واسطی کہ
 ہر نظر میں اس کی صورت بدلتی گئے وہ تحریر یا اکل نموش ہو گئی ہاں اس کے
 نقلین صاف کہ جس میں سیطرہ کی غلطی نہیں نواب صاحب نے کر لیں ہیں کیا
 جی یہ واسطی ایک بہائی نصیحت خیانت کی واسطی میری ہلکے کے جو کتاب ہے اس کی
 جلد بندہ جای تو بطریق مستعار نکلو بھیج دوں گا تم اس کی نقل لکھ کر
 کتاب مجھ کو پہیر دینا اور یہ امر بعد محرم واقع ہوگا مگر یہ یاد رہی کہ جو
 صاحب اس کو دیکھیں گی وہ ہرگز نہ بھیگی صرف برہان قاطع کی نام پر جان دیگی

کسی باتین جس شخص میں جمع ہونگی وہ اسکو مانیکا پتی تو عالم ہو سکے فن لغت
 کو جانتا ہو تیسرے فارسی کا علم خوب ہو اور اس زبانی اسکو لگا دو
 اسانڈہ سلف کا کلام بہت کچھ دیکھا ہوا اور کچھ یاد بھی ہو چوتھی مضمت
 ہو مٹ دہم ہو پانچویں طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتا ہو متوج الذہن اور کج
 فہم نہ ہو نہ یہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہونگی اور نہ کوئی میری محنت کی داد دے گا
 فہمیش کا لفظ میان بدلاؤ لدریان مجا اور لالہ گنیشی اس لالہ بہرہ وطن تاجتہ
 کا کھڑا ہوا ہی میری زبانی کہے تھی سنا ہی اب تفصیل سنو امر کی صیغہ کے
 آگے شین آتا ہی تو وہ امر معنی مصدر ہے دیتا ہی اور اس شین کو حاصل بالمصد
 کہتی ہیں تو مفت مصدر سوز و مضارع سوز امر سوزش حاصل بالمصد
 اسے طرح ہیں خواہش کا ہش و گزارش و گذارش و آرایش و پیریش و فرایش
 فہمیدن فارسی الاصل نہیں ہی مصدر جعلی ہے فہم لفظ عربی الاصل ہے طلب
 لفظ عربی الاصل ہے انکو موافق قاعدہ تفرس فہمیدن و طلبیدن کر لیا ہے
 اور اس قاعدہ میں یہ کلمہ ہی کہ لغت اصلی عربی آخر کو امر بن جاتا ہی فہم
 یعنی فہم ترجمہ طلب یعنی بطلب مانگتہ فہم مضارع بنا طلبہ مضارع بنا خیر یہ
 فرض کیجی کہ جب منہ مصدر اور مضارع اور امر بنایا تو اب حاصل بالمصد

بالمصدر کیون نہ بنائیں سنو حاصل بالمصدر ہشش اور طلبش چاہی فہم تھا
 صیغہ امر فہم میں کسی نکلا تھا الف اور بی کہا نسی لایا تھا می تو نہیں جو فہمیشہ
 درست ہو کہین فرمایش کو اسکا نظیر گمان نکرنا وہ مصدر اصلی فارسی
 فرمودن ہی فرمایہ مضارع فرما امر حاصل مصدر فرمایش زیادہ زیادہ۔

رقعہ

اُرمیان سید زادہ آزادہ دلی کے عاشق دلدلہ ڈہی ہوئی اُرمیان
 بازار کی رہنی والی حسد لکنہو کے بڑا کہنی والی نہ دل میں مہر و آدم نہ لگہ
 میں حیا و شرم نظام الدین ممنون کمان فوق کہاں مومن خان کہاں
 ایک آزدہ سو خاکوش دوسرا غاب وہ بیخود و مدہوش نہ
 سمنور رہی نہ سمنور نے کس برتی پرتیا پانی ہائی دلی دلی دلی
 بہاڑ میں جامی دلی سنو صاحب پانی پسند کی رکبوں میں ایک شہنشاہ
 جن احمد حسین خان ولد سردار خان ولد دکنور خان اوزنا اوسر
 احمد حسین خان کی غلام حسین خان ولد صاحب خان اس شخص کا
 حال از روی تحقیق مشرّح اور مفصل لکھا تو کیا ہی معاش کیا ہی طریق
 کیا ہی احمد حسین کی عمر کیا ہی ریاست ذاتی کا کیا رنگ ہے طبیعت کہا

۷۷
کیا ڈھنگ سے بہائی خوب چھانکر لکھ اور جلد لکھ ۱۲ پنجشنبہ ۲۳ مئی ۱۳۳۷
رقمہ

سید صاحب اچھا ڈگو سلا نکالا ہی القاب کے شکوہ شروع کر دیا
اور میر نصاحب کو اپنا عزیز بن کر لینا پتین میر مہدی نہیں کہ میر نصاحب
پر قراہوں میر فتنہ از حسین نہیں کہ او کو پیار کرتا ہوں علی کا غلام او
سادات کا معتقد او سین قم ہی آگئی کمال یہ کہ میر نصاحب سی محبت
قدیم ہی دوست ہوں عاشق دار نہیں بخت کا مہر و وفا ہوں گرفتار نہیں
تمہاری بہائی نے سنت شوش بکد نعل درتش کر کہا ہی ایک سلام
اصلاح کیواسطی پہنچا اور لکھا کہ محرم کے بعد میں ہی آؤنگا میں نے سلام
رہنی دیا اور منتظر رہا کہ ڈاک میں کیوں پہنچوں وہ آئینگی تو یہیں او کو
دی دونگا محرم تمام ہوا آج شنبہ غرہ عسفری حضرت کا پتا نہیں آ رہا
برسات فی آنی ندیا برسات کا نام آگیا تو پہلی تو مجھلا سٹو ایک
قدر کاؤنگا ایک ہنگامہ گورونگا ایک فتنہ اہندام مکانات کا
ایک آفت دبا کی ایک مصیبت کال کی اب یہ برسات جمع
حالات کی جامع ہی اکیسواں دن ہی انتخاب طرح گاہ گاہ نظر آتا ہے

آجاتا ہی جس طرح بجلی چمک جاتی ہے رانگو کہی کہی تیری اگر گہائی
 دیتی ہیں تو لوگ اونکو جگنن سمجھ لیتے ہیں اندھیری راتوں میں
 چور کی بن آئی ہی کوئی دن نہیں کہ دو چار جگہہ کے چور کیا حال دسنا
 جایی مبالغہ نہ سمجھنا ہزار ہا مکان گر گئے سینکڑوں آدمی جا بجا دب کر
 مگر گلی گلی ندی بہہ رہی ہی قصہ مختصر وہ ان کال تھا کہ نہ نہ برس غلے پیدا
 ہوا یہ سن کال ہے پانی ایسا برسا کہ بوی ہوئی دانی بہ گئی جنہوں نے یہی
 نہیں بویا تھا وہ بونی سی رہ گئی سن یاد آئی کا حال اسکی سا کوئی ہی تھا
 نہیں ہے جناب میر نصاحب کو دعا زیادہ کیا لکھوں ششہ نہ یکم صفر

۲۹ جولائی سال رشتا خیز ۱۲۷۸

رقعہ

بہائی کیا پوچھتی ہو کیا لکھوں دلی کے ہستی منہ کر کے ہنگاموں پر تھی قلعہ
 چاندنی چوک ہر روزہ بازار مسجد جامع کا ہر منبتہ سیر مناکا پل کے
 ہر سال میلہ ہول دانو کا سیہ پانچون باتین اب نہیں پہر کو دلی
 کہان ہان کوئی شہر قلعہ ہند میں اس کا نام کا تہا نواب گورنر جنرل ہوا
 ۱۵ دسمبر کو یہاں داخل ہوئی دیکھی کہان اترتی ہیں اور کیونکر دربار

کرتے ہیں آگ کی درباروں میں سات جاگیر دار تھے کہ اولکھا الگ
 الگ دربار ہوتا تھا چہر ہمار گڈہ بلب گڈہ قرغ نگر دو جانہ پاٹو دے
 لوہارو چار معدوم محض تین جو باقی رہی اوس میں سی دو جانہ دلواہو
 تحت حکومت ہانسی حصار پاٹودی حاضر اگر ہانسی حصار کا کشتہ
 اولن دونو نکو یہاں لی آیا تو تین ریس ورنہ ایک ریس بس رہی دربار
 نعام والی مہاجن لوگ سب موجود اہل اسلام میں سی صرف تین
 آدمی باقی ہیں میرٹھہ میں مصطفیٰ خان سلطان جی میں مولوی صدر الدین
 بلیمارو نہیں سب دنیا موسوم بے سادہ تیوں مردود و مسرور و محروم و مغنوم نظم
 توڑ بیٹھی جب کہ ہم جام و بوہر نکلو کیا :۔ آسمانی بادہ گلغام گر برباری :۔
 ہم آتی ہو چلی آؤ جان نثار خانکے چہتی کے سترک خا پنخند کے کوچی کی شرک
 دیکھ جاؤ بولتے بیگم کے کوچی کا ڈہنا جامع مسجد کے گرد شتر شتر گول
 میدان نکنا سن جاؤ غالب افسرہ دلو دیکھ جاؤ چلی جاؤ ^{نقطۃ العصر} _{کچا}
 میرنسر از حنین کو دعا حکیم الملک حکیم میر اشرف علی کو دعا قطب الملک
 میر نصیر الدین کو دعا یوسف ہند میر افضل علی کو دعا مقومہ صبح جتوہ جادیہ
 الاول ۲ دسمبر سال حال

نظم جو یای حال پہلے والور سلام لوت:

مسجد جامع و گزاشت ہوئی تہی قبر کے طرف کی سیڑھوں پر کیا ہونے
دکانین بنالین انڈا مرغی کو ترکیبی لکا عشرہ مشہد یعنی دس آدمی ہمت
ہری مرزا الہی بخش ہوئی صدر الدین فضل ^{حیدر خان} فضل احمد خان
تین یہ اور سات اور ۷ نومبر ۱۳ جمادی الاول سال جمعہ کی دن
ابوظفر سراج الدین بھادشاہ قید فرنگ قیسم کر رہا ہوئے
آتا رہ وانا الیہ راجعون جاڑا پڑ رہا ہی نہادی پس شراب کی
ہوئی کل سسی مالکوتزی انگیتی پر گورا ہی بول کلاس موقوف

رقعہ

جان غالب ابکی ایسا بیمار ہو کیا تھا کہ مجھ کو خود افسوس تھا پانچون دن
غذا کہا کی آب اچھا ہون سندرت ہون ذی الحجہ ۱۳۷۷ تک کچھ
کھٹکا نہیں ہی محرم کی پہلی تاریخ سسی اند مالک میر نصیر الدین آئی کے
بارگرمین نے اونکو دیکھا نہیں ابکی بار درد میں مجھ کو غفلت بہت رہی
اکثر احباب کے آنیکی خبر نہیں ہوئی جب سسی اچھا ہوا ہون سید صاحب

ہنیں آئی تمہاری آنکھوں کی غبار کے چھیدہ یہی کہ جو مکان دلی میں ڈھائی
گئی اور جہان جہان سرکین نکلیں جتنی گرد اُڑی اوسکو آپ نے
ازراہ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی بہر حال اچھی ہو جاؤ اور جلد
اوجھتا ہفت روزہ حسین کا خط آیا تھا میں نے میر نصاحب کے اندھے کے
خوف سی اوسکا جواب نہیں لکھا یہہ رقمہ ادن دونوں صاحبوں کو
پڑا دینا تاکہ میر سر فراز حسین صاحب اپنی خط کی رسید مطلع ہو جائیں
اور میر نصاحب میری پاس الفٹ پر اطلاع پائیں چار شعبہ ۶ جون ۱۸۶۷ء
رقمہ

برسات کا حال پوچھو خط کا کتہری قاسم جاکم گلی سواد تنہا کی نہری میں
جس مکان میں رہتا ہوں عالم بیک خان کی کتہری کے طرف کا دروازہ
گر گیا مسجد کی طرف کی دالان کو جاتی ہوئی جو دروازہ تہا وہ گیا سیر ہیا
گرا چاہتی دین صبح کی بیٹھنی کا حجرہ جھک رہا ہی چتین چلنیاں ہو گئے ہیں
مینہ گھڑی پہر بسی تو چہت گھنٹا پہر بسی کتابین قلمدان سب توشہ خانے
میں فرش پر کہیں لگن رکھا ہوا کہیں چلپی دہری ہوئی خط لکھوں کہاں
بیٹھ کر پانچ چار دن سی فرصت ہی مالک مکان کو فکر مرت ہی کج ایک

نظم بی محنت در کھل من خامہ روانی :-
 سداست ہوا آتش ہے دود کجائی :-

میز ہندی صبح کا وقت ہی جاڑا خوب پڑا ہی انگلی ماسنی رکھی ہوئے ہے
 دو حرف لکھتا ہوں آگ تپتا ہوں آگ میں گری سہی مگر ہاں وہ آتش
 سیال کہاں کہ جب دودھ پی لے فیوہا رگ و پی میں دھو گئی دل تولنا
 ہو کیا دماغ روشن ہو گیا فضل ناطقہ کو تو اجد بھم پنچامیان تپن پنچیا
 کر رہی ہو گور جنرل کہاں اور کس کماں دھپتی کشتہ صاحب کشتہ لغت
 گورز جب ان تینوں نے جواب دیا ہو تو اس کا مرافعہ گوشت میں
 کروں بھی تو دار و خلعت کے لالی پڑی ہیں تلو پنچن کے کدھری بیان کی حاکم نے
 میرا نام فردین نہیں لکھا میں نے اس کا اپیل لغت گور کے ہاں کیا ہے
 نظم دیکھی کیا جواب آتا ہے :- بہر حال جو کچھ ہوگا تلو لکھا جائیگا آجی وہ پو
 ہندو سہی یوسف دہر سہی یوسف عطر سہی یوسف ہفت کشور سہی
 اونکی زلیخا نے ستر بپا کر رکھا ہی مجھی تو خبر نہیں کہیں حضرت کہہ گئی ہیں
 کہ میں ساڑھی سات روپیہ مینا بھی جاؤنگا الب کے تقاضا ہی
 رحیم بخش روز آتا ہی اور کہتا ہی کہ پوپہا جانکو لکھو کہ پوپہا جان پوکھی

ہو گئی مرنے میں خیر جلد پہنچو ورنہ ناش کے جاگے اور نیکو کو افسوس رہا جائے گا
 بہر حال میر نصاحب کو یہ عبارت پڑھوا دیا میر سر فراد حسین کو
 دعا میر نصیر الدین کو دعا حکیم میر اسد شہرت علی کو دعا یوسف ہفت کشور کو
 دعا شمس الدین اسد میر ۸۵۹ لکھنؤ

رقعہ

بھٹیلہ تمہارا خط پہنچا مگر یہ غصہ ہے کہ میں اس کا جواب نہیں
 لکھ سکتا اور وہ جواب طلب ہے جواب کیا لکھوں قواعد ملداری کے
 برہم ہو گئے نئی نئی دستورین شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب تھے ہیں
 فردی کو انبالی پہنچینگے اہل دہلی کے ملازمت وہاں ہوگی اب یہاں واہ
 بن ہی کہ فردی میں کلکتہ سی جیلنگی بنارس الہ آباد اکبر آباد جوتے ہوئی
 مارچ کو انبالی پہنچینگے اور جی پور کو ڈیڑھ تین راجہ اگر پہنچ گئی وہاں میر
 فرس کی طرح بیکار دہری ہوئی ہیں اور کی جھکے راجہ گویا یوسف بن انکے
 خریدار دھڑتی پھرتی ہیں کوئی شکرم کوئی کراچی ڈھونڈ رہا ہی کوئی پیارہ
 چل نکلا کسی نے مانگی کا ٹوہم پہنچایا یہ سب قصی کی طرف استیا ہوں
 کہ راجستان کی اجنت فی سب سے نیکو لکھا ہی کہ لارڈ صاحب تھیں بلا تیز

جسکا جی چاہی اُو جسکا جی نچا ہی نہ اُو اس تحریر کو دیکھ کر جو عذرا گاہ پہ
 جا پہنچی وہ پشیمان ہین جو راہ میں ہین وہ دھین ٹھنک رہی ہین نہ کی بڑھی
 ہین نہ کچھی ہٹ سکتی ہین جو اپنی مقام سی نہ ملی تھی وہ اچھی ہی یہاں مقربین
 مہاترین برس گئے ہین گھوٹ چنا چٹا ہوگا ربیع کی امید پری نظم ~~افس~~
 پر ابرہہ ہین ~~ہیں~~ ~~مخالفہ جام من~~ ~~الذی یقین~~ : سیدی بات پر ایک زخم
 بائین بازو پر ایک گہاؤ سیدہ ران پر ایک پھوٹا یہ حال میرا ہے
 باقی خیر و عافیت میرے سر از حسین صاحب اور میرے نصاب کو دعا پہنچی غالب

رقعہ

جان غالب تمہارا خط پہنچا غزل اصلاح کی بعد پہنچی ہے نظم ہر کے پوچھتا ہوں
 وہ کہاں ہے : مصوع بدل دینی سی یہ شعر کس تہی کا ہو گیا ہی ای میر صاحب
 تمہیں شرم نہیں آتی نظم میان یہ اہل دہلی کے زبان ہی : اہل دہلی ہندو
 ہین یا اہل فرقہ ہین یا خاکی ہین یا پنجابی ہین یا گوری ہین انہیں سی تم
 کے زبان کی تعریف کرتے ہو لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا است
 تو جاتی رہی ہاتھ ہرن کے کامل لوگ موجود ہیں

اصد اصد دل نہ رہی اور دلی والی اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کیے
 جاتی ہیں واہ ری حسن اعتقاد آسی بستہ خدا اُردو بازار نہ رہا اُردو
 کہان دلی شہر نہیں ہے کلپ ہے چا کوئی ہی نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ ہر
 قلعہ

جمعہ ۷ محرم ۲۶ جولائی سید صاحب گل پردن رہی تمہارا خط
 پہنچا یقین ہی کہ اوسوقت یا شام کو میر سرسفر از حسین جہاڑی پاس
 پہنچ گئے ہوں حال سفر کا جو کچھ ہے انکی زبانی سن لوگی میں
 کیا لکھوں میں نے بھی جو کچھ سنا ہی اور نہیں سی سنا ہی انکا اسطرح
 ناکام پہر آنا میری تمنا اور میری مقصود کے خلاف ہی لیکن میرے
 عقیدہ اور میری تصور کی مطابق یہ ہے میں جانتا تھا کہ وہاں کچھ
 نہ ہوگا سو روپیہ کی زیر باری ناحق ہوئی چونکہ یہ زیر باری میری ہر دے
 پر ہوئی تو مجھی ہے شہر ساری ہی تین نے اس چٹا سٹ برس میں
 اسطرح کے شہر ساریان اور روسیا جیان بہت اونٹنا ئی ہیں
 جہاں ہزار داغ دن ایک ہزار ایک ہی میر سرسفر از حسین کے
 زیر بار یہ سی دل کرتا ہی

ایک مولوی وعظ میں شراب کے مذمت کر رہی تھی منہ رانی لگی ادا نے
 بُرائی اس میں یہ ہے کہ جب تک اسکی بوا آدمی کے منہ سے آتی ہی دعا
 نہیں قبول ہوتی تین نے کہا کہ مولوی صاحب آدمی شراب جب
 پیگا کہ تین باتیں اوسکو میسر ہونگی پہلی تندرستی پھر دولت مند
 پھر خاطر جمع اب آپ انصاف کریں جب یہ تینوں چیزیں حاصل
 اور موجود ہوئیں ایسی اور کیا چیز باقی رہی کہ انسان اوسکی تمنا
 کری اور اوسکے ملنے کے واسطی دعا کرے

لطیفہ

ششہ میں جو میرٹ سی باطنی ترک سوار اور تلنگی دلی میں آئے
 اور اونہوں نے شہر پر اور قلعہ پر اپنا قبضہ کر لیا تو وہ می مہینی کے
 اتار بخ تھی اور دو شنبہ کا دن تھا قضا راجہ دن ستمبر ششہ
 میں دلی فتح ہوئی اور سرکش لوگ بھاگ گئے وہ بھی دو شنبہ کا دن
 تھا دو ایک دوستوں نے کہا کہ دیکھو کیا اتفاق یہ ہے دو شنبہ کو
 دلی کا جانا اور پھر دو شنبہ کو ہاتھ آنا میں نے کہا کہ یہ ایک سرفہ

رمز ہی اسکو یوں تصور کرو کہ جس دن شکست کھائی اوسی دن
فتح پائی یعنی دیر نہ لگی ایک دن میں تدارک ہو گیا

نقل

خدر کے دنوں میں میں نہ شہر سی نکلا نہ پڑا کیا نہ میرے دیوکار
ہوئی جس مکان میں رہتا تھا وہیں بدستور بیتا رہا اور بتیا رونکے
محل میں میرا گہر تھا ناگاہ ایک دن آٹھ سات گوری دیوار پر
چڑھ کی اوس خاص کوچی میں اتر آئی جہاں میں رہتا تھا اوس
کوچین ہمہ جہت ۵۰ یا ۶۰ آدمی بستی ہو گئے سبکو گھیر لیا اور
اپنی ساتھی بچلی مگر گرفتار نہیں کیا اور کسیکو سیرت نہیں کیا
نئی سی بچلی راہ میں سامنے ہی آگلا اوسنی مجبھی صاحب سلامت کے
بعد پوچھا کہ تم مسلمان ہو میں نے کہا کہ آدھا مسلمان ہوں اوسنی
کہا دن صاحب آدھا مسلمان کیا ہیں نے کہا شرب پیتا ہوں
ہم ہوک نہیں کہتا غرض کہ وہ مجھی کرنل برون صاحب کے پاس لگیا
وہ چاندیے چوک حافظ قطب الدین سوداگر کے حویلی میں اور سے
ہوئی تھیں باہر نکل آئی اور میرا صرف نام پوچھا اور دن سی نام

بہی پوچھا اور پیشہ بہی پوچھا نام میرا سنکر فرمایا کلاس سادہ خان
 بڑی خوب کے بات ہی کہ تم باؤنی پر نہ آئی میں نے کہا آپ سنیں تو
 کہوں کہا مان کہو میں نے کہا کہ تنگی دروازہ سی باہر آدمی کو بھیج
 نکلنے نہیں دیتی ہتی میں کیونکر آتا اگر کچھ فریاد کوئی بات بنا کی نکل جاتا
 جب باؤنی کے قریب گول کے زرد پر پہنچتا پہرہ والا گورا بھی گولی مار
 دیتا یہ بہی مانا کہ تنگی باہر جانی دیتی گوری گولی غارتے میری صورت
 کو دیکھ ہی اود میرا حال معلوم کیجی بوڑھا ہون پانوسے الیچ کا نون سے
 بہانہ لڑائی کے لایق نہ مشورت کے قابل ہاں دعا کرتا سو یہاں
 بہی دعا کرتا رہا کرنیل صاحب منہسی اور فرمایا اچھا تم اپنی گھر جاؤ ادا لپے
 نوکر دوں اور اپنی علاقہ داروں کو ساتھ لے جاؤ باقی اہل محلہ سی غرض
 نہ کہو میں خدا کا شکر بجا لایا اود کرنیل بروٹھ صاحب کو دعا دیا تھا
 اپنی گھر آیا۔

شعر

ہی کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں :۔ ورنہ کیا بات کر نہیں آتے :۔

مین ہی منہ میں زبان رکھتا ہوں : شعر : کاش چوچہو کہ مدعا کیا ہے
قطع

پہر کہلا ہے در عدالت ناز : گرم بازار فوجداری یہ
ہو رہا ہی جہان میں اندھیر : زلف کی پہر سرشتہ داری یہ
پہر دیا پارہ جسکے سوال : ایک منہ راہ و آہ داری یہ
پہر ہوئی ہین گواہ عشق طلب : استباری کا حکم جاری یہ
دل و مرگان کا جو مقدمہ تھا : آج پہر او کی رو بکاری یہ

بوسہ دیتی نہیں اور دل پہ ہر نظر گاہ : شعر : جین کہتے ہین کہ رفت کی تو مال چاہا

اونکی دیکھی سی جو جاتی ہی ذوق نہی : شعر : وہ سمجھتی ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے

پیون شراب اگر غم ہی دیکھ لوں چار : شعر : یہ شیشہ و قرح و کوزہ و سبویا ہے

میری قسمت میں غم گزانا تھا : شعر : دل ہی یارب کسی دئی ہوتے

خط لکھینکے کرچہ مطلب کچھ نہ ہو : شمس بہم تو عاشق ہیں تمہاری نام کے
شعر

منہ مرنے پہ ہو جیکے امید : تا امید ہی اوکے دیکھا پاپی
شعر

پلائی کوکسی ساقی جو ہمیں نفرت کی : گلاس گرہیں دیتا نہ دی مشرب تو ہے
شعر

گوہ کو جنبش نہیں اکھون میں تو دم : نہ رہی دوا ہی ساغر و میاں یاری کے
شعر

کون ہی جو نہیں ہے حتمت نہ : کسکی حاجت روا کری کوئے
شعر

بہو کی نہیں ہیں سیر گشتا کی ہم کو : کیونکر نکھائی کہ ہوا ہی بھاری کے
شعر

غاب برآنمان جو واعظ بُرا کہی : ایسا ہی کوئی ہی کہ سب اچا کہیں جسے
شعر

واعظ نہ تم پیونہ کسی کو پلا سکے : کیا بات ہی تمہاری مشرب طہور کے

سبکی دل میں ہی جگہ تیری جو تو راضی ہو : ۹۲ : مجھ پہ گویا اک زنا ماہر بان ہو جا لگا

رات دن گردشیں ہیں سات کان : ہو رہیگا کچھ نہ کچھ کہل میں کیا

کہتی ہیں جب رہی نہ بھی طاقت سخن : جانوں کی سیکی دلی میں کیونکر کہی بغیر

جہین ہی کچھ نہیں ہی ہمارا کرنے ہم : سر جا یا رہی زمین پر کہی بغیر

ہمنی مانا کہ تغافل نہ کر کے لیکن : خاک ہو جائیگی ہم تم کو خبر ہوتی کت

قاصد کی آتی آتی خط لکھ لکھ کر ہوں : میں جاتا ہوں جودہ لگینی جواب میں

وہ آئی کہ مرنے مہادی خدا کی قدرت : کہی ہم او کو کہی اپنی گہ کو کہتی ہیں

سج سی ہو کر ہوا انسان تو مت جا لکھ : محکمین پر ہیں اتنی کہ آسان ہو گئیں

سیکھی ہیں مرنوئی کے ہم مصویب ^۴فصیح تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

کیا خوب قسمی غیر کو بوسہ نہیں دیا ^{شعر} بس چپ رہو مہادی ہی ہند میں نہا ہی

پنیس میں گزرتے ہیں جو کچھ یہ کہیں ^{شعر} کندہ بھی کہا رو کو بلنی نہیں دیتے

سائیکری کے شہم کو کج دہم ^{شعر} ہر شب پیای کرتے ہیں جس قدر ہے

خاتمہ

خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ یہ مجموعہ مختصر تمام ہوا ^۱خوب اسی یہ دعا
مانگتا ہوں کہ یہ تحریر میری ربی اور محسن کے پسند آئی قسمی جانا کہ میرے
مُرتی اور محسن کون ہیں وہ کہ جنکی ہدایت کا شکر گزار اور غایت کا
امیدوار ہوں جب نام نامی اذکار کا دریا چہ کتاب میں مرقوم اور عالم
میں مشہور ہی تو بار بار حضرت کا نام لینا ادب کے وعدہ ہے مگر ان غلام
میں یہ شعر لکھ دینا ضرور ہے

سبکی دین ہی جگر تیری جو تو راضی ہوگا : مجھ پر گویا اک ناما مہربان ہو جائیگا

حواشی

از

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

- ع سے مراد: عہود ہندی، پہلی اشاعت (مجتبائی میرٹھ، ۱۲۸۵ھ)
- ۴۔۔۔ : اردوئے معلّٰی، پہلی اشاعت (اکمل المطابع دہلی ۱۲۸۵ھ)
- ۲۔۔۔ : اردوئے معلّٰی (مجتبائی دہلی، ۱۸۹۹ء/۱۹۱۳ء) حصہ دوم
- خطوط۔۔۔ : خطوط غالب، مرتبہ ہمیش پشاور، جلد ۱، آگر آباد، ۱۹۴۱ء

ص ۱۲، س ۲-۳: "اور کئی لطیفے کو کاتب پہنچا چھوڑ گیا تھا۔ مقابلے کے وقت ان کا اضافہ دو سطروں کے درمیان کیا گیا ہے۔ اور بھی جہاں کہیں ایسی صورت تھی اُس کی نقل بچھبھ کر دی گئی ہے۔"

اس سبق کے پچھلے کونے کے ضائع ہو جانے سے اخیر دو سطروں کی عبارت ناقص ہو گئی ہے اور نہیں کہا جاسکتا مصنف نے یہاں کیا لفظ لکھے تھے۔ اُن کھوئے ہوئے لفظوں کو کم دیش اس طرح تصور کرنا چاہیے:

[ہے والا عجب آتب]

[فیض بخش دیش سالی]

ص ۲، س ۷ و ۹ (اور اور جگہ بھی) ٹ پر بجائے (ط) کے چار نقطے ہیں۔ پڑانا طریقہ تھا کہ ٹ، ڈ، ژ پر چار نقطے دیتے تھے، اس طرح: (ٲٲٲٲ)۔ بعد کو (ط) کا رواج ہوا اور غالب کے زمانے میں عام طور پر (ط) لکھنے لگے تھے۔ لیکن کچھ لوگ نئے طریقے پر چلتے، کچھ پڑانے دستور کے پابند تھے، اور کچھ ایسے بھی تھے جو دونوں صورتوں کو کو جان کر رکھتے تھے۔ غالب کے حکم کی تحریریں جہاں تک دیکھنے میں آئیں اُن میں "ٹ" پر اکثر و بیشتر چار نقطے پائے گئے اور کبھی کبھی (ط)۔ بخلاف اس کے "ڈ" اور "ژ" پر (ط) ہی ملتا ہے۔

— س ۱۲ (خیز ص ۸، س ۷): "ہندستانی" (بغیر واو کے)۔ غالب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تخریروں میں یوں ہی ہے۔ شعر کے وزنی کی خاطر البتہ حسب ضرورت واو کے ساتھ یا بے واو لکھتے ہوں گے۔

— س ۱۳: "کوئٹہ پوٹ"۔ یعنی جگہ کا شاعر۔ "پوٹ" کی انگریزی "ٹ" کو شاید ہندستانی "ٹھ" یقین کیا تھا۔

ص ۳، س ۲ پر تہید ختم ہوئی۔ اب پہلا باب شروع ہوتا ہے جس میں دو دیباچے اور کئی نکوت اور کئی لطیفے ہیں۔

— س ۴: "پہلا دیباچہ"۔ یہ ایک تقریظ ہے جو غالب نے رجب علی یگسور صاحب "فضاء عجائب" کی ایک اور تالیف "گلزار سرور" پر لکھی تھی اور تقریظ ہی کے نام سے اُس کے شروع میں صرح ہوئی ہے۔ (م ۲) میں بھی اسے "تقریظ" کہہ کر لکھا ہے۔ لیکن چوں کہ کتاب کے شروع میں ہر اُسے "دیباچہ" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس دیباچے یا تقریظ کا متن جو گلزار میں ہر ہمارے قلمی نسخے کے ساتھ پوری مطابقت رکھتا ہے (م ۲) میں بھی، بسا ادا ایک معمولی سہو کاتب کے، کوئی اختلاف نہیں۔

”گھزار“ پہلی بار ”مطب افضل المطابع محمدی“ میں ۱۰۷۰ھ اپنی پہلی قطع ۲۳۱
 سطر پر چھپی۔ اس پہلی اشاعت کا صرف ایک نسخہ دیکھنے کو ملا جو آخر سے ناقص ہے۔
 سرورق پر اشاعت کا سال لکھا نہیں؛ موقوف کے نام کے ساتھ، دوسری اشاعت کی طرح،
 لفظ ”موقوف“ نہیں ہے۔ اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ کتاب کے پہلی بار چھپنے کے وقت
 مرزا سرور حیات تھے۔ دوسری بار کتاب زیادہ خوشنما اور خوشخط بھی ہے۔ اس دوسری
 اشاعت کا ایک سالم نسخہ میرے کتابخانے میں ہے۔ سرورق پر چھاپے خانے کا نام افضل
 المطابع نجم العلوم کارنامہ“ اور خاتمۃ المطبع میں ”افضل المطابع محمدی“ بتایا گیا ہے۔ مختصر
 ظاہر پہلی اشاعت میں سے نقل ہوا ہے۔ دوسری اشاعت کے پہلے (رنگین) سرورق پر
 کتاب کا نام ”مجموعۃ تصنیفات... میرزا رجب علی بیگ سرور موقوف المومنین بہ گھزار سرور
 خراسانی و نشر نفوذ نثار“ ہے۔ اخیر دونوں تحریریں مکتم گیارہ صفحے میں آگئی ہیں۔ ان کے آخر
 میں ایک اور خاتمہ چار پانچ سطر کا ہے جس میں چھاپے خانے کا نام ”مطب نجم العلوم کارنامہ“
 دارالعلم والسلسل فرہنگی محل“ لکھا ہے۔ اخیر (رنگین) ورق کے بیرونی رخ پر التماس کے عنوان
 سے ایک عبارت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ”دوبارہ“ اور ”خراسانی و نشر نفوذ نثار“
 ۱۳۰۷ھ میں چھپی تھی۔ ”گھزار“ کا متن دونوں اشاعتوں میں... اصفحہ پر آیا ہے۔ دونوں خانے
 اور یہ التماس محمد یعقوب کے لکھے ہوئے ہیں اور کتاب دونوں بار انھیں کے اہتمام سے شائع
 ہوئی۔ یہ اردو نسخہ نگاری میں سرورق کے شاگرد اور ان کے بڑے مخلصوں میں سے ہیں۔
 خطوں میں ان کا ذکر اکثر کرتے ہیں، ”مولوی“ اور ”صاحب“ ہمیشہ اور کبھی ”جناب“ بھی
 اضافہ کرتے ہیں۔ بعد میں مولوی یعقوب ایک اخبار ”کارنامہ“ نکالنے لگے تو چھاپے خانے کے نام
 میں ”کارنامہ“ بڑھا دیا تھا۔

ص ۱۲، س ۹: "عدائی العساق"۔ یہ وہ فارسی کتاب ہے جسے سرود نے اردو میں منتقل کر کے "گزار سرور" نام دیا ہے۔ اس کا مؤلف رضی ابن محمد شہنچ ویاہے میں کتاب پر کہ یہ کتاب اُس نے "اشد ویدی خاں مصاحب و قوندر آقاسی و امیر شکار باشی و امیر الامراء کوہ گیلویہ و فارس" کے حضور میں پیش کی تھی۔ کتاب کا سال تالیف مذکور نہیں۔ اشد ویدی خاں اپنے زمانے میں ایران کے بہت سرکردہ امیروں میں تھا اور نہایت اہم عہدوں پر فائز رہا تھا۔ گراں قدر ملکی اور فوجی کارگزاریوں کی بنا پر شاہ عباس اول کے عہد میں اُسے بہت عروج ہوا۔ شاہ عباس ۹۹۶ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اشد ویدی خاں ۱۰۲۳ھ میں مر گیا۔ اُسے اس لیے رضی کی کتاب اسی ۲۷ برس کے عمر میں کسی وقت تالیف ہوئی ہوگی۔ شاہ عباس کی سلطنت کے ابتدائی کئی برس جنگ

تھ "عدائی" ہندوستان میں بھی بہت مقبول رہی ہے۔ طبع مصطفائی، لکھنؤ نے ۱۲۷۰ھ اور نوکھو نے ۱۲۹۱ھ میں اسے شائع کیا۔ اس کے علاوہ متعدد بار شائع ہوئی ہے جو تو عجب نہیں۔

تھ سرودے کی لفظ "قوندر آقاسی" کا ترجمہ (سرور غلامی) تو لکھ دیا ہے، مگر "امیر شکار باشی" سے صرف تو لکھ "کوہ گیلویہ" بھی غلط ہے۔ یہ ایک پہاڑی خطہ ہے فارس سے متصل۔ "گزار" (ص ۴) میں اشد ویدی کی جگہ "اکر ویدی" غالباً کاتب کا بہنوئی۔

تھ دیکھو تاریخ "عالم آراء عباسی" (شاہ عباس کے دیگر خاص اسکندریہ غرضی کی تالیف ہے) (۱۲ ص ۱۲ ص ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶،

اور پراسنی میں گزرے تھے، اور افشار ویدی خان بھی ٹہمپوں اور معرکوں میں مصروف رہا۔ اس لیے کم سے کم پہلے دس برس کو خارج از بحث سمجھنا بیجا نہ ہوگا۔ آخر سے بھی تین چار برس کو خارج کر دینا بہتر ہوگا۔ اس طرح "عدائت" کی تالیف کا زمانہ ۱۰۲۰ھ اور ۱۰۲۰ھ کے درمیان ٹھہرتا ہے۔

"عدائت العشاق" ایک رزمیہ (یا اشتقاری قصہ) ہے یعنی مجاز کے پہلے میں لکھا گیا ہے۔ جن اشخاص یا مقامات وغیرہ کا ذکر اس میں آیا ہو ان کے نام مجازی ہیں، یعنی ہر نام ایک رمز ہے جس سے ہوسم کر کے کردار یا خصوصیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ بادشاہ کا نام "روح" ہے تو اس کا ولی ہمد "دل"، وزیر "عقل" سپہ سالار "صبر"۔ ایک دوسرا بادشاہ "عشق" ہے تو اس کی بیٹی "حسن" ایک "لک غایت" نام پایا ہے تو اس کا تاجدار "ناموس" کہلاتا ہے۔ "روح" اور "عشق" کی طبیعتوں کا اختلاف اور "حسن" اور "دل" کے مزاجوں کا جوش و خروش دونوں بادشاہوں کے درمیان جنگ پھڑ جانے کا باعث ہوتا ہے۔

فارس میں رزمی حکایتیں اکثر و بیشتر شہنوی کی شکل میں نظم ہوتی رہی ہیں جیسے کاتبی (متوفی ۹۳۹ھ) کی مجمع البحرین جو "ناظر و منظور" کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ "ناظر" اور "ناظر" اور "منظر" کی القاب کی حکایت ہے؛ جاتی (متوفی ۸۹۸ھ) کی "سلامان دابال" اور اس کے ہمعصر آہلی خیلازی کی "شع و پروانہ" گیارہویں صدی ہجری میں شاہ عباس اول کے عہد کے شاعروں میں سے "گلانی نواشاہی" کی مختصر شہنویاں "آذو شمندر" اور "نورخید و آذرہ" اس صنف کی خاص چیزیں ہیں۔ ان کے حوالے میں نشر میں لکھے ہوئے رزمی قصے بہت ہی کم ہیں۔

پہلا شخص جس نے نشر میں ایک مستقل رزمیہ لکھا یعنی ابن سبک نقاشی (متوفی

۵۸۵۲) ہر جو اپنے وقت کے فضلا میں تھا۔ غزل میں کہیں اُسراہی یا بختاوی بھی تخلص کرتا تھا۔ مگر اس نے بھی پہلے (۵۸۴۰ء) ایک مثنوی پانچ ہزار بیت کی کہی جس میں خنزاری "حسن" اور خنزامے "دل" کی کہانی سناہی تھی اور اُسے "مستور عشاقی" نام دیا تھا۔ پھر اُسی داستان کو مختصر کر کے نثر میں "حسن و دل" کے نام سے لکھا اور فارسی ادب کی دنیا میں یہ دونوں کتابیں بہت مقبول ہوئیں۔ ترکی شاعروں آپہ (مثنوی ۵۹۲۳) اور آدھی (مثنوی ۵۹۳۸) نے پر تکلف ترکی نثر میں، اور سلطان مراد سوم کے عہد (۹۸۲-۱۰۰۴ھ) کے شاعر قالی اور بعد کو حیدقی نے ترکی نظم میں قناسی کی تصنیف کو منتقل کیا۔ خود ایران میں، قناسی سے کوہی دوسویں بعد ملا رضی نے اُسی "حکایہ حسن و دل" کو اپنی عبارت میں لکھا، لیکن قناسی کا نام نہیں لیا۔ چند میں بھی کئی شخصوں نے اُس کا چربہ اُٹھایا۔ اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں ایک مثنوی "حسن و دل" صلاح الدین خیزنی ساوہی نے لکھی جس کا صرف ایک ناقص نسخہ انڈیا آفس کے کتابخانے میں ہے (نشان ۲۸۱)۔ "ملا دجی" نے ۱۰۴۵-۱۰۵۱ھ میں سب سے اپنے زمانے کی اُمداد (نثر) میں لکھی۔ داؤد آتکچی نے ۹ برس بعد "حسن و دل" ہی کے نام سے فارسی مثنوی لکھی (جس کا نسخہ بیہی یونیورسٹی میں محفوظ ہے) اور ۱۰۹۵ھ میں خواجہ محمد تہید نے وہی حکایت فارسی نثر میں لکھ کے اندر گزب عالمگیر کے نام سے مثنوی کی۔ لہذا ان سب کا ماخذ قناسی کی نظم و نثر ہے۔ اُس کے

لے ان کے بعد ۸۳۴ھ میں قناسی نے "شبستان بکات و گلستان نکات" لکھی جس کا مختصر نام "شبستان خیال" زیادہ معروف ہو گیا۔ کوہی قصہ نہیں، بلکہ اسلام دایاں، علم و زہد، اخلاق و ادب وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے بابک حسن جو برائی تہذیب اور فحش و فحش کے فاعل پر ہے۔ شائع کیا تھا۔ لاہور ۱۸۹۸ء) لکھی تفصیل کے لئے دیکھو سب سے ان کا (۱۹۳۲ء) کا مقدمہ ص ۷۷۔ ان کا نیز برائی زبان میں لکھے گئے فارسی ادبیات کا سفر (برگ ۱۰۹ء)۔ لے اس کتاب کا علمی سفر لکھا گیا آفس کے کتابخانے میں محفوظ ہے۔ "بیدل" سے یہ دھوکا دہنا چاہئے کہ یہ میرزا احمد قادر قبول ہے۔

پیروں نے اپنی اپنی شاعری اور عبادت آراء ہی کا کمال دکھایا ہے۔

ص ۳، ۱۵- ص ۵، ۱- یہ دو شعر غالب نے اپنی ”گزارش بجنورِ شام“ میں سے لیے ہیں اور دونوں شعروں میں لفظ ”میری“ کو ”یک“ سے بدل کر انھیں مقام کے مناسب بنالیا ہے۔

ص ۵، ۶: ”کہیں کہو“ بجائے ”کہیں نہ کہو“۔

— ص ۸: ”ایشری... بہادر“ یعنی ہمارا عا صاحب بنارس جو سرود کے مرتبی تھے۔

ص ۶، ۲: ”کیوں انکا“ بجائے ”کیوں اذکا“ (ع)

— ص ۷: ”رہے گا“ پر عبادت تمام ہو گئی ہے۔ جو جگہ سطر کے آخر میں نہ

رہی تھی اسے صرت بھر دینے کی خاطر کاتب نے نقطے لگا دیے۔

دیباچہ دوسرا

خواجہ بدالدین اسکان دہلوی نے، جو غالب کے بھتیجے ہوتے تھے، ”بوستانِ خیال“ کی کئی جلدوں کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا جن میں سے ایک کا ”حدائقِ انظار“ دوسری کا ”ریاضِ الابصار“ نام رکھا اور غالب سے یہ دیباچہ لکھوا کر ”حدائقِ انظار“ کے شروع میں لگایا۔ یہ بھی (ع) اور (م ۲) میں شامل ہے۔

(ع) اور (م ۲) ”حدائقِ انظار“ کے متن سے بیشتر مطابق ہیں اس لیے یقین

۱۔ انسان کے حالات کے لیے دیکھو نعتِ اشتریک کا مقالہ (ومازہ اردو) اپریل ۱۹۳۱ء اور مضامین ”نعت“

صفحہ ۳، نیز ڈاکٹر قادری نادر کا مقالہ ”یا نگاہِ نعت“ ۱۹۵۱ء ص ۱۳۱-۱۵۲۔

ہوتا ہے کہ ان دونوں میں یہ دیباچہ "حدائق" سے نقل ہوا ہے۔ قلمی نسخے میں جو اختلاف ہر وہ ظاہر اس بنا پر ہے کہ غالب نے اپنی پُرانی تحریر میں کہیں حرکت و اصلاح کی ضرورت دیکھی اور کہیں اس نئی دسی کتاب کے مقصد پر نظر کر کے کوئی عبارت بدل دی یا حذف کر دی؛ کہیں کوئی لفظ بلا اور کہیں لفظوں کے مقام کو اول بدل دیا۔ کتابت کی معمولی غلطیوں سے قطع نظر یہاں صرف اہم اختلافات کی تفصیل کی جاتی ہے:

ص ۶، س ۱۲-۱۳: "تو اس صورت میں ہم کیونکر"۔ (ع)؛ ہم اس صورت میں

یہ کیونکر؟ (م ۲): "تو ہم اس صورت میں کیونکر"۔ حدائق انظار: "ہم اس صورت میں کیونکر"۔

— "عجب و غریب کے نظارگی بے باوہ مست" تینوں مطبوعہ نسخے: "عجب و غریب

کی نظارگی سے بے باوہ مست"۔ "نظارگی" کے دو معنی ہیں: (۱) نظارہ کرنا۔ اس صورت میں لفظ کے آخر مصدری "ی" ہے۔ (۲) نظارہ کرنے والا۔ یہاں "ی" فاعلی ہے، اور غالب کا مقصود یہی تھا، اس لیے کہ اگلی سطریں "اہل منی" مقابلے کا لفظ ہے، اور جملے کی ترکیب یوں ہے: "... کے نظارگی بے باوہ مست ہو جاتے اور ... اہل منی کی قلم صورت پرست ہو جاتے۔" چھاپنے یا پھپھوانے والوں نے لفظ کے پہلے معنی پر خیال کر کے "کی نظارگی سے بے باوہ ... پڑھا اور اسے" کے اضافے کو ضروری جاننا۔ سیاق عبارت اور خوبی ترکیب کا لحاظ نہ کیا۔

ص ۷، س ۲: "سینکڑوں" بجائے سینکڑوں۔

— س ۲: خود مدان "کو (ع) (م ۲) اور حدائق کی قرأت "خود مند پر توجہ ہے۔

— س ۴: "بالطبع" کا زائد الف سہواً قلمزد ہونے سے رہ گیا ہے۔

— س ۹: "گدھاں کبوتر"۔ وہ کبوتر جو ادھر ادھر اڑتا، گھومتا پھرتا ہے اور اپنی

کی آواز سننے ہی گھروٹ آتا ہے۔ "سیٹھی" (صحیح: "سیٹی")

— س ۱۳: ”دعویٰ خدائی“ صحیح۔ مضاف ہونے کی صورت میں یا تو ”دعویٰ“

ہو سکتا ہو یا ”دعوائے“۔ (م ۲) میں ”دعویٰ خدائی“ ہی جو صحیح نہیں۔

ص ۸، س ۱: ”تو گویا“۔ دونوں میں ”گویا“۔ ”تو گویا“ بہتر ہے۔ (م ۲): ”گو“ غالباً ہو

ہو کا تب ہے۔

— س ۲: ”فساد“۔ تینوں مطبوعہ نسخے: ”افساد“

— س ۴: ”غز“ کے پہلے دونوں حرفوں پر، غالب کی اور تحریروں کی طرح یہاں

بھی فتح کا اہتمام کیا گیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو رسالہ ”ہندستانی“ اکہ آباد؛

جلد ۸، ص ۲۴۸-۲۵۰)

ص ۸، س ۵: ”محمد شاہی“ اس لیے کہا کہ میر تقی خیال محمد شاہ بادشاہ کے

عہد حکومت میں اپنے وطن احمد آباد گجرات سے دلی آئے تھے۔ پورا نام میر محمد تقی جعفری

محبیبی، خیال تخلص۔ دلی میں نواب محمد اسحاق خاں لٹے اور اُن کے بھائی نواب رفیع خاں

سالار جنگ کی فرمائش پر داستانوں کا ایک مجموعہ ”یوستان خیال“ فارسی میں لکھا ہوا ۱۶

جلدوں میں تمام ہوا اور جس کا کچھ حصہ دلی میں کچھ مرشد آباد میں لکھا گیا تھا۔ اس تصنیف

لٹے اسحاق خاں نثر میں الدولہ شہنشاہی نامی جوہر امیروں میں تھا۔ اس کے باپ نے شہنشاہ (پران) سے

اگر ہندوستان میں حکومت اختیار کرنی اور اسحاق خاں یہیں پیدا ہوا عربی اور فارسی ادب میں اچھی قابلیت

حاصل کی اور نظم و نثر میں ہمارے بلکہ تفوق رکھتا تھا۔ ہر بادشاہ کے عہد میں معزز اور ممتاز درجہ خاص کر

محمد شاہ کے عہد میں اُس نے بڑا رسوخ، بہم پہنچایا۔ ۱۱۵۲ھ میں انتقال کیا۔ تین بیٹے چھوٹے (۱) میرزا محمد

دو بیٹے باپ کی طرح قابل اور کارگزار تھا۔ میرزا محمد کی بیٹی شہلاہ الدولہ (دودھ) سے شادی کی

محمد شاہ کے دور میں۔ آخر میں اسحاق خاں عظیم الدولہ خطاب ملا اور کئی جہاد مقرر ہوا۔ احمد شاہ کے دور میں بھی یہ عہد

بہال رہی اور شاہجہان آباد کی گورنری کی خدمت ادا فرمادی۔ اناغزہ بنگلہ سے جنگ ہوئی جس میں مصد نے

شکست کھادی اور میرزا محمد مصد جنگ کے ساتھ تھانہ بڑی پھانسی سے ڈاڑھ کا کام کیا۔ (۳۱۶۲) موت الدولہ کے

دو اور بیٹے (۲) میرزا علی انصاری الدولہ اور (۴) میرزا محمد علی سالار جنگ۔ مصد جنگ کی وفات (محرم ۱۱۶۸ھ)

پر دونوں بھائی شجاع الدولہ کے پاس دودھ (جنگ آباد) چلے آئے۔ (خواجہ عامر، ص ۱۲۲-۱۲۳)

کا زمانہ ۱۱۵۵ھ سے ۱۱۶۹ھ تک کا ہے۔ خیال نے ۱۱۷۳ھ میں وفات پائی۔
 (مطابق ۱۸۴۰ء) میں عالم علی نے "بوستان خیال" کی ضخیم جلدوں میں سے کچھ
 قصوں کو انتخاب کر کے اردو میں ترجمہ کیا اور "زبدۃ النیال" نام رکھا تھا۔ پروفیسر
 مسعود حسن صاحب رضوی کے کتابخانے سے ایک نسخہ مل گیا۔ مولف کا دیباچہ یوں شروع
 ہوتا ہے:

"بعد حمد و نعت کے عاصی عالم علی موضع کرائی کا رہنے والا جو کہ نوع
 عظیم آباد پر گئے، بلیا سے متعلق ہے۔۔۔ عرض کرتا ہوں کہ نسخہ بوستان خیال
 تصنیف میر محمد تقی خیال ترابن فارسی میں سولہ جلد ہیں، بھیت طوالت
 کے صاحب شوق کا دل اکثر پریشان ہوتا ہے اور سب داستانوں کی خوبیاں
 بے دیکھے تمام کتاب کے ظاہر نہیں ہوتیں اس واسطے جس نے سہ
 ۱۲۵۶ ہجری میں پنج مقام کلکتہ کے اوس کی کہانیوں کو بطور مختصر زبان
 ریختہ اردو میں ترجمہ کر کے زبدۃ النیال نام رکھا اور لمحاظ اختصار
 حالات حلسم اور مقامات بزم و رزم کو طول نہ دیا کہ شایقان ہسانہ
 و حکایت انک توجہ میں اس کتاب کی خیال بندی اور قصص لطیفہ محفوظ
 ہوئی اور اس کم بضاعت کو دعا سے خیر سے یاد کریں۔" (ص ۳۲)

مردق کے بعد ایک عبارت میں لکھا ہے کہ کتاب ۱۸۴۴ء میں چھاپا گیا تھا۔ یہ چھپنا
 شروع ہونے کی تاریخ ہے۔ چنانچہ فاسے (ص ۴۰) میں اُس کے چھپنے کی تاریخ
 ۷ اگست ۱۸۴۶ء مطابق ۱۴ شعبان ۱۲۶۲ھ درج ہے۔ اس سے یہ سمجھنا چاہیے
 کہ دو برس میں کتاب چھپ کر تیار ہوئی تھی۔

یہی کتاب کے ترجمہ کرنے کا ارادہ خواہہ آمان دہلوی نے کیا اور کئی جلدیں ختم

بھی کر لیں۔ اُسی زمانے میں سید فرزند احمد صغیر بلگرامی نے بعض جلدوں کا ترجمہ کیا۔
 لکھنؤ میں مرزا حسن علی خاں عرف آغا جو نے کئی جلدیں ترجمہ کیں اور اُن کے بعد
 اُن کے بھائی مرزا محمد عسکری عرف چھوٹے آغا نے اُن کے کام کی تکمیل کی۔ ان
 میں سے زیادہ مشہور آسان کا ترجمہ ہے۔

— س ۶-۷: ”کا ہر ادس نے بوستان خیال میں کچھ اور تماشا دکھلایا

گویا باغ ارم کو ہندستان میں ادھٹا لایا۔“ مگر تینوں مطبوعہ نسخے: ”کا ہر... ادھٹا
 لایا ادس نے... کچھ اور ہی تماشا دکھلایا۔“

— س ۱۴: ”بتار کا خیال جو آیا نہ حدائق انظار اور (ع): ”بتار کا خیال ہوا۔“

(۲م): ”بتار کا جو خیال آیا۔“

— س ۱۵: ”کہنی“ بجائے ”کہنی۔“

ص ۹، س ۱۔ پہلے میں لفظ غالب نے کئی بار قلم پھیر کر کاٹے ہیں۔ یہ ترک

کے لفظ ہیں مگر دستور یہ ہے کہ اگلے صفحے میں جو لفظ سب سے پہلے آئے کو ہر اُسے
 پچھلے ورق کی اخیر سطر کے نیچے لکھ دیتے ہیں۔ یہاں کا تب نے تین لفظوں کی
 ترک قرار دی۔ یہ تا پسند ہوئی۔

— س ۲: ”کی فارسی کے“ اور نسخوں میں: ”کی فارسی شکر کے۔“

— س ۴: ”حکیم قسطاس“ قالب نے اختصار کی جہت سے لکھا ہے۔ پنا نام

”حکیم قسطاس الحکمت“ ہے قسطاس یا قسطاس ترازو کو کہتے ہیں۔ ”بنی نبیہ انشا
 ایک حکیم عالی قدر والا دودمان جمع علوم بے قیاس حکیم قسطاس الحکمت نام ہے۔“
 (حدائق انظار ص ۲۳۳)

— س ۵: "منار" کاتب کا پہو ہے۔ صبح "منار" ہر یمن ضرر پہنچانے والا، بدرشت "منکوس" = اُٹا؛ بچے جو ماں کے پیٹ سے اُٹا پیدا ہوا ہو۔ "منار منکوس" اور "جشید خود پرست" کی حقیقت یہ ہے کہ دمشق اور بصر کے حاکم کا ایک حبشی غلام تھا "کافور" نام جو حاکم کا بڑا مُعتمد تھا۔ کافور کے ہاں اس صورت کا ایک بچہ دو سیاہ پیدا ہوا کہ جس کی پیشانی ٹھلانی سے آثار شرارت و بے حیائی... ظاہر ہویدا تھے۔ کافور نے اُس بچے کا نام جشید رکھا۔ (ریاض الابصار، ص ۶)۔ "نواب مصر میں ایک مرد ملحد منار منکوس نام، حکمتِ بشرِ طبعی مذہب، رہتا تھا یعنی وہ مردود صلتِ حقیقی کا قائل نہ تھا۔ البتہ علم نجوم و علم طیرخات اور علم بحر و طلسم میں اُس کو فی الجملہ دستگاہ تھی اور مدد و شبِ اسی فکر میں مُبتلا رہتا تھا کہ کوئی بادشاہ ایسا صاحب طالع پیدا کرنا چاہیے کہ وہ مسموم دنیا میں کوس صاحبِ جبرانی بجائے اور میں اُس کا مدار الہام ہوں اور اُس کو طریقہ خود پرستی تعلیم کروں تاکہ فرقہ اسلام کا تخمِ جان میں باقی نہ رہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اُس نے جشید کو منتخب کیا۔ (ریاض الابصار، ص ۸)

— س ۸-۹: عبارتِ آرمی... پہلا یہ تحریر دیا ہے۔ یہ بات اُن عبارتوں سے واضح ہوتی ہے جو اوپر کے دو حاشیوں میں نقل ہوئی ہیں۔

— س ۱۲: "بیانا بھیتیا" کو قلمزد کیا ہے۔ اور تینوں نسخوں میں ہے: "بھیتیا اور پیارا بھیتیا"۔ ظاہر پہلے غالب نے "بھیتیا اور" کو حذف کر دیا تھا کاتب نے اُس کے مطابق دو لفظ کتابت کیے۔ نظر ثانی کے وقت وہ بھی بے ضرورت دکھائی دیے۔

— س ۱۵: "بانگ یا... تھک گیا" اور تینوں نسخے: "بانگ لایا... تھک گیا"۔

رقعہ [۱]

[(ع) ص ۸۹، (م) ص ۱۸۶، خطوط ص ۲۷۴]

اس رقعے کی پہلی سات سطریں بہت مدد و بدل کا نتیجہ ہیں۔

ص ۱۰، س ۴: "برخوردار سچ کہیو" کو لال روخنامہ ہی سے نقلزدکر کے حاشیے پر

"سچ کہنا" لکھا ہے۔ شانِ خط غالب کے قلم کی سی ہے۔ (ع) اور (م) میں بھی "برخوردار" نہیں، "کیوں سچ کہیو" ہے۔ شاید پہلے "کیوں" کی جگہ "برخوردار" کر دیا ہو۔ تشریفاتی پر اُسے بھی کاٹ دیا اور "کہیو" پر "کہنا" کو ترجیح دی۔

— س ۷: "واہ کیا شیوہ ہے اور پھر... گویا وہ" (ع) اور (م): "اے

کیا اچھا شیوہ ہے جب تک یوں نہ لکھو وہ۔"

— س ۱۰: "موقوف کیا۔" (ع) اور (م): "اور وقت پر موقوف رکھا۔" اس کے

بعد "میر نصیر الدین" تک کئی سطریں تھیں جو حذف کر دیں۔

ص ۱۱، س ۲: "سسرک" بجائے "سسرک"۔

— س ۳۰: کاتب نے "سستبر" لکھا تھا۔ بعد کو اُس کے نیچے "پ" کے

نقطے لگا دیے گئے ہیں اور "ت" کے دونوں نقطوں پر "ٹ" کا (م) بنایا گیا ہے اور وہ اتنا بڑا کہ اُس کے سامنے سے دونوں نقطوں کو دبا لیا ہے۔ یہ اصلاح غالب کے قلم کی

معلوم ہوتی ہے۔

رقعہ [۲]

[(م) ص ۵۷، خطوط ص ۲۵۳]

یہ رقعہ (ع) میں نہیں ہے۔ (م) میں "تم تو... قصہ کیا ہے" نہیں ہے اور رقعہ

شروع ہوں ہوا ہے: ”بھائی کیا پوچھتے ہو، کیا لکھوں، قاطع بُرہان کے مسوے...“ اور وہ اذہ ہی خط ہی جو یوں شروع ہوتا ہے: ”بھائی، کیا پوچھتے ہو، کیا لکھوں۔ دلی کی ہستی...“ (رقعہ [۵]، ۱، ص ۹۶؛ م، ص ۱۸۲)۔

ص ۱۱، س ۱۰: ”بالکل“ میں جو زائد الف تھا قلمزد کر دیا ہے۔

—، س ۱۱: ”کر لیں ہیں۔“ یہاں ”لی“ کی جگہ ”لیں“ سہو قلم ہو جس پر شاید نظر نہیں پڑی۔ ”ایک سیرے واسطے ایک بھائی... کے واسطے۔“ یہ پورا فقرہ سُرخ سے قلمزد کر دیا ہے مگر قلمزد ہونے سے پہلے ہی ”بھائی“ جو (م ۲) میں بھی نہیں ہے، بین السطور کالی روشنائی سے لکھا جا چکا تھا اور یہ لفظ غالب ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

ص ۱۲، س ۶: ”جا“ اصل اس نام کی ”جعد“ ہے مگر ہندستان کے اُن پڑھ طبقوں میں اس کا تلفظ ”جآ“ ہے اور یوں ہی لکھا بھی جاتا ہے۔

—، س ۷: ”کھڑا“ یعنی ”گھڑا“

—، س ۸: ”وہ امر منی مصدبی دتیا ہے اور اس خین کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔“

یہاں ”اس“ کے الف کے نیچے لال روشنائی سے کسرِ خواہر مقابلے کے وقت خود غالب نے لگایا ہے۔ لیکن صرف ”اس خین کو“ درست نہیں۔ م ۲ (ص ۵۸) میں اس خین کی جگہ صرف ”اس“ ہے۔ غالباً (م ۲) کے مُصنّف نے یہاں ”خین“ کو مُنہل پا کر حذف کر دیا اور ”اس“ کو ”اس“ بنا کر اپنی دانتھ میں عبارت کو با معنی کر دیا، ہر جملہ پھر بھی ٹھیک نہ ہوا۔ ایک اور صورتِ تصحیح کی یہ ہو سکتی ہے کہ ”اس خین کو“ کے بعد ایک اور خین داخل کیا جائے: ”اور اس خین کو [خین] حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔“ مگر شاید اس سے بہتر ہو کہ ”خین“ اور ”کو“ کو مقدم ٹوٹ کر کے یوں پڑھے:

”اور اس کو شین حاصل پالصدر رکھتے ہیں۔“ غالب کے ذہن میں ”اس [امریغ] شین“ تھا؛ پٹھنے والے کے شعور پر بھروسہ کر کے ”اس شین“ پر قناعت کر لی۔
— س ۱۲: ”بن جانتا“ بجائے ”بن جاتا۔“

ص ۱۳، س ۲: ”نکلا... کہاں سے لایا۔“ (م ۲): ”نکالا... کہاں سے لایا۔“
ظاہر انظر ثانی کے وقت اصلاح کی ہے۔
— س ۴: ”زیادہ زیادہ۔“ (م ۲) میں یہ نہیں ہے، بلکہ یہاں دو ڈھائی سطر عبارت ادھر، جسے غامض کر چکے ہیں۔

رقعہ [۳]

[درج (ص ۷۰، م) ص ۱۷۹، خطوط ص ۲۶۸]
اس رقعے کو سراسر قلم زد کیا ہے، اور ”نوشہ شد“ اور ”مقابلہ نمودہ شد“ پر
بھی قلم پھیر دیا ہے۔
ص ۱۴، س ۱: رقعے کے آخر میں تاریخ ”پنجشنبہ ۲۳ مئی“ ہے جو (درج) میں
حذف ہو گئی ہے اور (م) میں بھی نہیں ہے۔

رقعہ [۴]

[درج (ص ۹۸، م) ص ۱۷۹، خطوط، ص ۲۷۷۔]
ص ۱۴، س ۳-۷: ”اچھا... گرفتار نہیں“ یہ عبارت لال روشناسی سے
کاپی دی ہے۔ مقصود یہ تھا کہ رقعے کی ابتدا کی صورت یہ ہو: ”یہ صاحب“
تھوڑے بھاء ہی نے سمجھتے.....“

ص ۱۳، س ۲: "ڈکھوسلا" (رع): "ڈکھوسلا" (مردم) اور (م ۲):
 "ڈکھوسلا" اسے "ڈکھوسلا" ہونا اور لکھنا دئی کے لیے سے متعلق ہے تفصیل اس
 کی مقدمہ "خطوط" (ص ۵۰-۵۱) میں دیکھی جائے۔

اُس زمانے میں "گ" پر دو مرکز بہت کم لگاتے تھے اور باقی عبارت
 سے معلوم کر لیتے تھے کہ "گ" پڑھنا چاہیے یا "گ"۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو
 "گ" کو دو مرکز لگانا بہت ضروری جانتے تھے۔ اس نسخے کا کاتب کہیں کہیں "گ"
 کو بھی دو مرکز لگا جاتا ہے جیسے یہاں، اور "دگیو" اور "آگہیں" (ص ۸)؛
 "دگہاشی" (ص ۱۵)؛ "دگیہ جاؤ" (ص ۱۶)؛ "آگہوں" (ص ۲۸)۔ مقلد کے
 وقت ادھر خیال نہ گیا اور اصلاح کی نوبت نہ آئی۔ اکثر ہوتا ہے کہ ہونو خفیف ہے
 اور تصحیح کرنے والا غلط لکھے ہوئے کو صحیح پڑھتا ہوا گزر جاتا ہے۔

— س ۸: متن میں "نعل در آتش" کے اوپر تارے کا نشان سرخ
 روشنائی سے بنایا ہے۔ پھر وہی نشان نچلے حاشیے میں بنا کر "بیمار" کے لفظ
 سے اُس کی تشریح کی ہے۔ یہ حاشیہ غالب ہی کے قلم سے ہے۔ اسی شان کا
 ایک حاشیہ اگلے صفحے پر آتا ہے۔

ص ۱۵، س ۲: "جگنون"۔ یہ لفظ (رع) میں بھی ایک ناٹھ "ن" کے ساتھ
 لکھا ہے۔ چونکہ غلط تھا، لال روشنائی سے دوبارہ قلم پھیر کر اُسے کاٹا ہے لیکن
 روشنائی بہت پھینکی ہے۔ غور کرنے پر وہ لکیریں دکھائی پڑتی ہیں۔

— س ۴: "سیکروں" بجائے "سیکروں"۔

— س ۵: "غلہ" میں السطور اضافہ ہوا ہے اور کالی روشنائی سے غالب کے
 ہاتھ کا لکھا معلوم ہوتا ہے۔ (رع) اور (م) میں بجائے "غلہ" کے "انارج" ہے۔

— س ۹: متن میں ”رستاخیز“ پر اُسی پھینکی روشنائی سے بتا رہا بنا کر صفحے کے پچھلے حاشیے میں یہ ایک سطر لکھی ہوئی: ”اس لفظ میں سے ابجد کے حساب سے ۱۲۷۸ کا عدد نکلتا ہے ۱۲۔“ خان غالب کے خط کی ہے۔

رقعہ [۵]

[(ع) ص ۹۲، (م) ص ۱۸۲، خطوط ص ۲۵۸]

ص ۱۵، س ۱۱: ”پر تھی“ اور یہی صحیح ہے، لیکن (ع) اور (م): ”پر ہو۔“
 ص ۱۶، س ۱۲-۱۵: ان سطروں کو ”مجموعہ العصر“ سے لے کر آخر تک سرخ روشنائی سے قلمزد کر دیا اور ”چلے جاؤ“ کے اوپر ”فقط“ اور اُس کے سامنے، بائیں ہاتھ کی طرف، حاشیے میں ”تاریخ لکھی جائیگی ۱۲“ لکھ دیا۔ مزید وضاحت کی غرض سے ایک اور نیزہا خط کھینچا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ”فقط“ کے بعد ساری عبارت خالص ہو جائے۔ صرف تاریخ یعنی ”صبح جمعہ ۶ جمادی الاول ۲ دسمبر سال حال“ برقرار رہے گا۔ یہ رد و بدل بھی خان غالب ہی کے قلم سے ہوئی ہے۔

رقعہ [۶]

[(م) ص ۱۶۲، خطوط ص ۲۸۲]

یہ رقعہ صرف ایک ٹکڑا ہے اُس ایک صفحے بھرے خط کا جس کے آغاز کی چند سطریں لے لی ہیں۔ بعد کو اُس میں سے بھی اخیر ڈیڑھ سطر نظری ہو گئی۔ آخر میں جو تاریخ لکھی ہوئی تھی: ”مگل کا دن ۲۲ جمادی الثانی ۱۶ دسمبر ہیردن پڑھے“ وہ بھی رقعے میں شامل نہیں کی۔

ص ۱۷، س ۴: ”عشرہ مبشرہ یعنی“ (م) میں نہیں ہو اور س ۵: ”ابن

فضل اللہ خان“ بھی (م) میں نہیں ہو۔

ص ۱۷، س ۸-۹: ”جاڑا... بادل گلاس موقوف۔“ یہ عبارت روشنائی

سے قلند ہوئی ہو۔ آخر میں یہ علامت (مم) بنی ہوئی ہو۔ کلم غالب ہی کا ہو۔

رقعہ [۷]

[(ع) ص ۹۱، (م) ص ۸۵، خطوط ص ۲۴۳]

ص ۱۷، س ۱۴: ”مگر میں نے۔“ (ع) میں بھی اسی طرح ہی، لیکن

(م): ”میں نے“

ص ۱۸، س ۱: ”وہ پہ پہ ہی۔“ یہاں لفظ ”وہ پہ“ کو لال روشنائی سے

قلند کر کے اُس کے اوپر صحت صورت ”جہ“ لکھ دی ہو۔ مگر پچھلی روشنائی نے

اس اصلاح کو بہت ہی دھندلا کر دیا ہو۔ یہاں یہ سوال اُٹھتا ہو کہ اُسی کے آگے

”پہ“ کا لفظ تھا، اُس میں یہی اصلاح کیوں نہ کی؟

جواب اس کا یہ ہو کہ عربی لفظ ”وَجْہ“ کو اگر ”وہ پہ“ لکھے تو صحت نہیں

اس لیے کہ پہلی صورت میں ایک ”ہ“ ہی دوسری میں دو ”ہ“ ہیں یعنی اس قدر

صورت میں ”وَجْہ“ پڑھیں گے یا ”وَجْہہ“ (جیسے کرم اٹھ وَجْہہ) یا ”وَجْہہہ۔“

اب اکثر لوگ نادانی سے ”شَبْہہ“ کو ”خَبہ“ لکھنے لگے ہیں اور ”جہہ“ کو ”جہہہ“

فارسی میں بڑے لفظوں کے آخر میں ”ہ“ ملحوظ ہوتی ہو جیسے ”خَبہ اور ”جہہ“ اور بعضوں

کے آخر میں ”ہ“ ہوتی ہو جیسے ”ہستہ“ اور گزشتہ ”وِیَہو یا کہ۔“ ”جہہ۔“ ان لفظوں

میں "ہ" اپنی اصلی آواز نہیں رکھتی بلکہ اُس کا کام اتنا ہی ہو کہ اپنے ماقبل کی حرکت کا اظہار کر دے۔ اُس میں عربی "ہ" اور فارسی ملفوظ اور مختص "ہ" کے علاوہ ہندی کی ملفوظ التلفظ "ہ" بھی ہو یعنی ایک حرف تین میں آوازیں دینے لگا لکھنے والوں نے یہ تدبیر کی کہ مختص "ہ" کو جوں کا توں رہنے دیا اور ملفوظ کو یوں لکھنے لگے: ہہہہ ظلم کو ہی نہ سہہ سکے گا " اور ساتھ ہی ساتھ ہندی کی ملفوظ "ہ" کو بھی اسی طرح لکھنے کا رواج ہو گیا: کچہر، کچہر، پوچہر، پچہر، مگر چہرہ وغیرہ۔ نستعلیق اور خفیعہ خط کے دستور کے مطابق گہرے پیٹ والی "ہ" (یعنی ہر جسے کچھ پیشی کہنا زیادہ بہتر ہوگا) ترکیب کے آخر میں آہی نہ سکتی اس لیے کاتبوں کے نزدیک یہ ڈھری "ہہہ" ڈھری نہ تھی بلکہ ایک ہی حرف تھی اور اخیر ڈھچی کی پنا محض جس کتابت پر تھی۔ خلاصہ یہ کہ کتابت کی یہ صورت کاتبوں کے اضطراب کا ایک ناقابلِ اطمینان نتیجہ تھی اور رسم خط کے مسئلہ سے بالآخر ایک معقول حل اس شکل کا پایا کہ ملفوظ "ہ" کے لیے دو چھٹی "ہ" لکھی جایا کرے۔ لیکن غالب کے زمانے میں، اور اُس کے بعد بھی، یہ اصلاح عام طور پر رائج نہ ہوئی تھی۔ ہاں، محتاط لکھنے والے عربی اور فارسی لفظوں میں یہ مکڑ "ہہہ" لاسنے سے پرہیز کرتے تھے۔ اور یہیں سے ہو کہ غالب نے یہاں "وجہہ" کو کاٹ کر "وجہ" بنایا ہو۔ مگر یہ بھی بتا دینا ضروری ہو کہ اس احتیاط پر بھی اُن کے قلم سے کہیں کہیں "وجہہ" یا اس قسم کا کوئی لفظ نکل گیا ہو مثلاً "خطہ" ص ۲۸۱ کے مقابل اُن کے قلم کی تحریر کے عکس کی پہلی سطریں)۔ یہ جو اردو انشا کی ایک درسی کتاب بنا رہے تھے، اس میں یہ نکتہ اُن کی نظر سے کیونکر بچ جاتا؟

- س ۶: ”دینا تاکہ“۔ یہاں ”تا“ اضافہ ہوا ہے۔ (ع) اور
(م): ”دینا کر۔“
— س ۷: اس خط کے لکھے جانے کی تاریخ آخر میں درج ہے۔
(ع) اور (م) میں دلی تاریخ کچھ نہیں۔

رقعہ [۸]

[(ع) ص ۹۶، (م) ص ۱۷۹، خطوط، ص ۲۸۰]

- ص ۱۸، س ۹: یہ رقعہ اُس خط کا ایک ٹکڑا ہے جو یوں شروع ہوتا
ہے: ”اے حضرت کیا غلط لکھا ہے۔ اس غرائض کے لکھنے کا فائدہ؟“ شروع کی
عبادت قریب ایک صفحے کے خارج کر دی ہے۔ ”خدا کا قہر ہے“ اس فقرے کو قلمزد کر دیا۔
— س ۱۰: ”کثرت کی طرف“ یعنی ”کربے کی طرف“ چنانچہ (ع) اور
(م): ”کثرہ کی طرف۔“

- س ۱۵: ”خط لکھوں کہاں بیٹھ کر“ نظر ثانی کے وقت لفظوں کی ترتیب بدلی
ہے۔ ورنہ (ع) اور (م): ”خط کہاں بیٹھ کر لکھوں۔“
ص ۱۹، س ۳: ”حال کی فکر“ کاتب سے ”فکر“ کا لفظ رہ گیا تھا۔ غالب نے
اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب ”فکر“ کو ٹوٹا بیٹے تھے۔
— س ۳: ”یا اقل“۔ غالب نے زائد الح کو قلمزد کر دیا ہے۔
— س ۶-۷: ”دو لفظوں“ قدرت“ اور ”کیا“ کو کاتب مکرر لکھ گیا تھا۔ پہلے
کو کالی، دوسرے کو لال مدشاوی سے کانا ہے۔

- س ۱۰: ”مجتہد العصر“ میر سرفراز حسین کے اس خطاب پر دوبارہ قلم بھرا ہے۔

— س ۱۱-۱۳: "۱۱۱۱" سے لے کے "دعا کہنا" تک لال روشنائی سے قلمزدہ۔

— س ۱۲-۱۳: میں سے "صبح جمعہ ۲ ستمبر ۱۸۹۶ء کو رہنے دیا۔ یہاں "ستمبر" کی تصحیح کی طرف شاید خیال نہ گیا۔

— س ۱۵: "رقعہ" قلمزدہ۔

رقعہ [۹]

[(رع) ص ۹۷، (م) ص ۱۷۷، خطوط ص ۲۵۹-]

یہ رقعہ سارے کا سارا قلمزدہ کر دیا ہے (ص ۲۰-۲۱)

ص ۲۰، س ۴: "جانا" کاتب کے قلم سے اضافہ ہوا ہے۔

— س ۵: "دو جرمی پی لئی"۔ (رع)؛ "دو جرمی پی"؛ (م)؛ "دو جرمی

پی لئے"۔ یعنی دو جرمی پی ہے۔

— س ۶: "چٹن چٹن"۔ (رع) اور (م)؛ "چٹن چٹن"۔ لیکن غالب

نے ہمیشہ اس لفظ کو "چٹن" ہی لکھا اور مذکور استعمال کیا ہے۔ خواجہ غلام غوث نے نوکا بھی، مگر معلوم ہوتا ہے غالب نے اُن کے اعتراض کو مانا نہیں۔

— س ۸: "گورز" کے بعد "بہادر" لکھنا کاتب بھول گیا ہوگا۔ مرزا صاحب نے

بین السطور اضافہ کر دیا۔

— س ۹-۱۰: "میرا نام فرد ہیں"۔ (رع) اور (م) میں یوں ہی ہے۔ اس

جگہ کے کاتب نے بھی اُسی طرح لکھا۔ مقابلے کے وقت اوپر بین السطور دیا کے "لکھا گیا ہے جو یقیناً غالب کے قلم کا لکھا ہے۔

رقعہ [۱۰]

[یہ رقعہ (رع) اور (م) میں نہیں ہے: صرف اسی مجموعے میں پایا گیا اور یہیں سے "خطوط" میں نقل ہوا۔]

ص ۲۱، س ۶: "بغداد دارم۔ یہ لفظ لال روشنائی سے کاٹا گیا ہے۔

— س ۱۲: کاتب لفظ "کے" کو رکھ گیا تھا۔ ایک اُن میں سے قلمزدکریا گیا۔

— س ۱۵: کاتب نے "اجنت" لکھا تھا۔ مثنوی سے اُسے انگریزی تلفظ کے

مطابق "ایجنٹ" بنایا ہے۔ "لارڈ" تھا؛ "و" پر (ط) مثنوی سے بنایا گیا ہے۔

ص ۲۲، س ۳-۵: "نظم: افق ہا... تہی" کو لال روشنائی سے قلمزدکریا ہے۔

رقعہ [۱۱]

[رع) ص ۹۱، (م) ص ۱۸۳، خطوط، ص ۲۶۷]

ص ۲۲، س ۹: "ہراک" کاتب نے "ہرایک" لکھا تھا۔ "ایک" کو پھیل کر

"اک" بنایا ہے۔ روشنائی کا نشان نہ رہا، لیکن "ی" کے شوشے اور نقطوں کا اثر

باقی ہے۔ بعد اصلاح کے شریوں ہو گیا:

نہیں لیتا ہوں فرطِ رشک سے نام

ہراک سے پچھتا ہوں وہ کہاں ہے

— س ۱۰-۱۳: "ای میر صاحب تھیں شرم نہیں آتی... تم... کرتے ہو۔"

مجردج کی غزل کا مقطع تھا:

سنگو، یوں تو اک عالم ہے مجردج

میاں، یہ اہلِ دہلی کی زباں ہے

غالب نے دوسرے مصرعے پر طنزاً لکھا تھا: "ای میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی۔
 تو... تعریف کرتا ہی" لے چونکہ استاد کو دوسرے مصرعے کا مضمون ناپسند ہوا تھا مجروح
 نے بجائے اُس کے یہ مصرع لکھ دیا: "سرے استاد کی، پُر کیا رہاں پر!" (دروانی
 مجروح، طبع لاہور، ص ۱۴۱)۔

— س ۱۲۔ کاتب نے "لکھنؤ" کو "لکھنؤ" لکھا ہے۔ اس پر نظر نہیں پڑی۔
 — س ۱۴-۱۵۔ "موجود ہیں" کے بعد کے نقطے بتاتے ہیں کہ یہاں سے کچھ حذف
 کیا گیا ہے۔ جو عبارت یہاں سے حذف ہوئی ہو اُس میں شہر کی دیوانی کی شکایت ہے۔
 ص ۲۳، س ۲: "کپ۔ (ع ادم)، کی طرح اس نسخے کے کاتب نے "کپ"
 لکھا تھا۔ غالب نے لال دھڑاوی سے اصلاح کر کے اُسے "کپ" بنایا ہے۔ (ع ادم
 (م): "دلی دانشدہ اب شہر نہیں ہو کپ ہے، چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ ہنر، رقتہ
 نہیں ختم ہو گیا۔ بعد کی دو ڈھادی سطریں غالب نے پہلے ہی حذف کر دی تھیں۔

رقعہ [۱۲]

[دیکھو (ع)، ص ۹۰، (م)، ص ۱۸۵، خطوط، ص ۲۷۲]
 ص ۲۳، س ۴: عنوان بجائے "رقعہ" کے کاتب "قلعہ" لکھ گیا۔ یہ سہن ظاہر
 اس باعث سے ہوا کہ اس سے اوپر والی سطریں "قد" کا لفظ سامنے تھا۔ بے غیالی
 میں وہی لکھ دیا۔ غالب کی نظر اس پر نہ پڑی اور تھج نہ ہوئی۔ یہ رقعہ بھی ایک طویل
 خط کا صرف ایک ٹکڑا ہے۔

لے (ع) اور (م) میں اسی طرح ہے۔ بے تکلفی کے لفظوں "تجھے" و "ظہر کو غالب نے اس
 درجی کتاب میں مناسب جان کر بدل دیا ہے۔

— س ۵: "جمہ... جولائی" صرف اسی نسخے میں ہے۔ (ع) اور (م)

میں نہیں ہے۔ تقویم کے حساب سے جمعہ ۱۷ محرم ۱۲۷۸ھ مطابق ہے ۲۶ جولائی ۱۸۶۱ء سے۔

— س ۶: "ادبوقت"۔ (ع) اور (م): "ادبوقت"

— س ۱۲: "شرساری ہے"۔ (ع) اور (م): "شرساری ہوئی"۔

— س ۱۲: "چھیا سٹھ"۔ کاتب نے چھپتیا سٹھ لکھا تھا۔ غالب نے "سٹھ"

کو کٹ کر اُس کے اوپر لال روشنائی سے "سٹھ" لکھا ہے۔ (ع): "چھیا سٹھ"۔

(م): "چھیا سٹھ اور یہی صبح ہے۔"

— س ۱۵: "کوہتا ہے" رقعہ یہاں ختم ہو گیا۔ (ع) اور (م) میں اس

کے بعد اس سے دونی عبارت اور ہے۔

رقعے ختم ہوئے

صفحہ ۲۴ پر نئے شروع ہوتے ہیں

نقل [لطیفہ ۱]

یہ لطیفہ "یادگار غالب" (ص ۶۹) میں مختصر طور پر لکھا گیا ہے۔ یہاں غالب

نے اپنے مقابلے میں حضرت داعظ کو لا کر اسے زیادہ مزیدار بنا دیا ہے۔

لطیفہ [۲]

ص ۲۴، س ۱۰: "ٹوک سوار سے مراد ہے سواروں کی فوج کا سپاہی۔

فورا لغات میں جو تشریح اس اصطلاح کی ہے درست نہیں۔ "ٹنگے" (واحد: ٹنگ)

جنوبی ہند میں فرانسیسیوں اور انگریزوں نے اپنے طور پر ہندوستانیوں کو فوجی تعلیم دی اور

سپاہیوں کے لیے ایک ہی وضع قطع کی وردی لازم قرار دی۔ یہ باقاعدہ ہندوستانی فوجیں ملک کے اور حصوں میں بھی مہم پر بھیجی جانے لگیں۔ یہ سپاہی عموماً تینگے (آٹھول دیس) کے رہتے ہوئے تھے۔ اس لیے اور جگر، خاص کر شمالی ہند میں، باقاعدہ فوج کا سپاہی ”تینگا“ کہلاتے تھے۔ اگرچہ سپاہی ”گورے“ اور ہندوستانی سپاہی ”تینگے“ کہلاتے تھے۔ یہ جو ”باغی ترک سوار اور تینگے“ دلی میں آئے اور پھر پورے ہند میں پھیلنے لگے۔ یہ قبضہ کیا سب ہندوستانی تھے۔ ترک یا تینگے والا ان میں ایک بھی نہ تھا۔ جنوبی ہند کی فوج کی کلک بہت بعد میں پہنچی۔ میرٹھ میں ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو خوش شروع ہوئی اور دو شنبہ ۱۱ مئی کو باغی فوج دلی آپہنچی۔ اُس وقت سے ۱۳ ستمبر تک دلی میں انگریزوں کی حکومت نہ رہی۔ ۱۳ ستمبر کو انگریزوں نے دلی کو فتح کر لیا۔ اتفاق سے یہ بھی دہشتے کا دن تھا۔

یہ ”لطیفہ“ یا ”رمز“ غالب کے شاعرانہ تخیل کا نتیجہ ہے، جسے انھوں نے اپنی تاریخی کتاب ”دستنبو“ (طبع آگرہ ۱۹۵۸ء، ص ۲۶) میں لکھا تھا۔ یہ اُسی کا اُردو ترجمہ ہے۔

نقل [لطیفہ ۳]

یہ حکایت حضرت غالب کی آپ بیتی ہے جو پہلے ”دستنبو“ (ص ۴۴) میں بیان ہوئی تھی۔ مگر وہ ٹھیک تھی، یہ مفصل۔ اسی دہی کتاب کے لیے شاید نامناسب ہے کہ اس ساری حکایت پر قلم بھیر دیا ہو۔

ص ۲۵، س ۴: ”غدر“۔ ۱۸۵۷ء کی خوش کو عام طور پر غدر کہتے ہیں۔

۱۸۵۷-۵۸ء کا دورہ ”یا دگار“ ص ۲۶-۲۷۔

۱۸۵۷ء کا دورہ ”یا دگار“ ص ۲۶-۲۷۔

یہ انگریزی لفظ "مینیوٹنی" کا ترجمہ ہے۔ "بد بکاری" (بد + بھ + کار + ی) ہندوستانی کے اہل دفتر کی اصطلاح میں، کسی کے خلاف عدالتی کارروائی خاص کر فوجداری عدالت میں۔

— س ۵: "بٹی ماروں"۔ دہلی کا ایک نعلہ، چاندنی چوک کے قریب۔

— س ۱۰: "سارجین"۔ انگریزی لفظ "سارجنٹ" کی تہنید۔

— س ۱۲: "ڈل"۔ انگریزی لفظ "ڈل" خوب کا مرادف۔

— س ۱۳: "ہیم"۔ شور کا گوشت۔ "ہوک"۔ انگریزی "ہواگ" ("غواب" کے

وزن پر) یعنی خوب کھلکا مڑا کیا ہوا ٹھوز جس کی ران کے گوشت کو "ہیم" کہتے ہیں۔

ہندوستانی خاشا مازوں کی اصطلاح میں "ہیم ہوک" = سور کا گوشت عموماً۔

"مختبر" میں یہ لکھا "آدھا مسلمان" والا کسی مصلحت سے مرزا صاحب اڑا

گئے ہیں، چنانچہ مولانا حالی بھی اسے "مٹا ہی" کہہ کر ردایت کرتے ہیں۔ اس حقیقت

اب اس قلمی نسخے سے معلوم ہوئی کہ یہ لکھنو سارجنٹ سے جو چکی تھی۔ کرنل بدوی کے

سامنے مرزا صاحب اس کے بعد گئے اور صرف وہ باتیں ہوئیں جن کا آگے کی سطور

میں ذکر آیا ہے۔

ص ۲۶، س ۲ اور ۵: "بادلی" (بادشاہ کی تصویر)۔ جھنڈی، جھنڈا۔

۱۸۵۷ء کے معرکے میں ہندوستانی فوجوں نے پہلے ہی دن دلی کا رخ کیا اور

۱۱ مئی کو دہلی پہنچ کر سارے فوجی اہلکاروں پر حملہ کر دیا۔ چار مہینے کافی فوج کی حکومت رہی۔

۱۴ ستمبر کو انگریزوں نے شہر پر پھر قبضہ کر لیا۔ ہندوستانیوں نے قلعہ معلیٰ کو اپنی کراچی

کا مرکز بنایا جو ایک محفوظ مقام تھا۔ انگریزوں نے شہر کے باہر محاصرے کا ڈول ڈالا۔

شہر کے شمال مغرب کی جانب ایک پہاڑی سلسلہ، جو اراولی پہاڑ کا آخری سرسبز اور
 بلندی اُس کی زیادہ نہیں چڑھتا مقابلے کے لیے تجویز اور اچھا تجویز۔ جلدی نہیں کی۔ دو
 طرف سے ملے جوتے رہے۔ جا بجاسے سرکاری ملک آتی رہی اور مورچے بنتے تھے
 تیاریاں ہر طرح کی ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ۷ ستمبر کو اُسی پہاڑی پر جیسے انگریزی میں
 "برج" اور دلی کے لوگ "پہاڑی" کہتے تھے، تو یہیں لگا دی جا چکیں اور ۸ ستمبر کو
 "دھن" پر خوب گولے برساتے گئے۔ مگر انگریز تانتیا تو یہیں بھی ملتے ہیں کہ "دھن"
 کے گولہ انداز بھی خوب لڑے۔ ۲۱ کی صبح کو شاہی سلامی دی گئی۔ اور پھر خواجہ کو
 ہوا۔ اسی پہاڑی پر تقریباً ایک صدی انگریزی جھڑا اڑتا رہا۔ اب اُسی کے ملنے
 دلی یونیورسٹی کی عمارتیں بنی ہیں۔

— س ۷: "پانوں سے" دوسرے دن کی نوک اور نقطہ، دونوں چاؤ سے
 پھیلے گئے ہیں اور اس کا نشان کاغذ پر دکھائی دیتا ہے۔ غالب کے صرت ایک
 پانوں پھوڑے کی تکلیف تھی۔ دونوں میں ہوتی تو "پانوں میں" کہتے۔ غالب کے
 نزدیک اس لفظ کے الف میں غمت ہر نہ کہ وا، میں اور یہ اسے اُن کی صبح ہر
 (دیکھو مقدمہ "عظوظ" صفحہ ۷)

پہلا باب ختم ہوا

یہاں سے دوسرا باب شروع ہوتا ہے جس میں غالب نے

اپنے دیوان میں سے ۲۱ شعر چھانت کر نقل کیے ہیں۔

ص ۲۸ س ۶: "پلاوے اوک سے، ساقی... رنج" دوسرے مصرعے کا پہلا

نہ صرف، عالی میں ہر کے شے "پہاڑی" ہی کہلاتے ہیں۔ ("یادگار" ص ۲۷)۔

لفظ ”پیالہ“ تھا اور کاتب نے یہی لکھا تھا۔ بعد کو خیال آیا ہوگا کہ اگر اس جگہ ”گلاس“ ہو تو صاحب لوگوں کے لیے مانوس ہوگا اور انھیں لطف زیادہ آئے گا۔
”پیالہ“ پھیل کر ”گلاس“ کر دیا۔

— س اخیر: ”گھور“۔ لفظ ”گھور“ ہے۔ مرزا صاحب کی نظر نہ پڑی اور اور تصحیح نہ ہوئی۔

ص ۲۹، س ۱: ”اک زمانہ“ یہی شعر ص ۳۰ کی اخیر مصرع میں پھر آیا ہے۔
دونوں جگہ الف سے لکھا ہے۔ (دیکھو ”خطوط“ کا مقدمہ، صفحہ آتی، ص ۱۳)۔

— س ۱۱: ”خط ایک اور“۔ دربان کے نسخوں میں بچلا لفظ ”اک“ ہے۔ چونکہ تقطیع دونوں طرح ہو جاتی ہے، ہو سکتا ہے کہ غالب نے ”ایک“ نہ سننے دیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اُن کی نظر اس لفظ پر پڑی ہی نہ ہو۔
— س ۱۵: ”مچہ“۔ کاتب ہواً ایک کی جگہ تین نقطے لگا گیا ہے۔

انشائے اردو سے مقابلہ

(۱)

جناب ابو صاحب جمیل الناقب عیمر الاحسان سلامت
نیاز مہر کیشاد و دعاے درویشانہ قبل فرامیں ایک دن پہلے
تفقد نامہ اور دوسرے دن نسخہٴ اجماع ہنگامہ ہسپتال نظر اس تقدیم
و تاخیر پر غلط کو پھول اور کتاب کو پھیل سمجھا پھول سے نشاط تازہ
اور پھیل سے کثرت بے اندازہ پائی جامِ بخم جہاں تھا ہوگا مگر کیا
جانے کیا ہوگا بلکہ اسی میں تردد ہے کہ ہوگا یا ہوگا جامِ جہاں تھا

ص ۷۱

یہ کتاب ہے جس سے ہر دیدہ و بہرہ یاب ہی یہاں تو میں مدح
 میں قاصر رہا یہ میں نے کیا کہا جس طرح دیدہ و بہرہ کر خطا
 سکتا ہے یا جیتا بھی مسٹر ٹلٹ پاسکتا ہے فیض اس کتاب کا عام
 ہے جام جہاں نما اس کا نچا نام ہے اسٹنٹ کشف صاحب
 بہادر کی خدمت گواہی اور اشاعت علم میں مددگاری فرمادے
 ہو مگر فقیر میں تین عیب ہیں شہزادوں کی عمر کاٹوں سے پہرہ ہمیشہ بابر
 ہو آدورفت وقام میں قاصر اور جو تحریر وہاں سے آیا کر گئی
 اسکی مشورت میں حاضر رہ گیا یہ نہیں کہ نماؤنگا آنکھوں سے
 جاؤنگا مگر حسب الطلب یا حسب ضرورت کار گزار و فراہم دار
 رہو نگا بہر صورت تعجب ہے کہ صاحب اسٹنٹ بہادر نے
 مجھے یاد کیوں نہ کیا بلکہ کیوں نہ یا یقین ہے کہ جب آپ یہ خط
 اپنے نام کا حضرت کی خدمت میں بھجوا دیئے تو وہ مجھے بے
 تکلف بلائیے فقط

غایت کا طالب غالب

[یہ خط "انشائے اردو" تالیف مولوی ضیاء الدین خان پروفیسر عربی، دہلی کالج،
 طبع ۱۸۶۶ء، ص ۷۰/۷۱ پر درج ہے۔ کسی اور مجموعے میں اب تک نہیں دیکھا گیا۔
 "بابو صاحب" کون ہیں؟ "سنہ اعجاز و نگارہ" کیا کتاب ہے اور کس کی تالیف؟
 اس نقل میں اصل رسم خط کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ع ص [(۲)
 ص ۷۱/۷۲، چارے قلمی نسخے کا پہلا رقعہ (ص ۱۰/۱۱) ہے۔ صرف رسم خط ضیاء
 نے اپنی کتاب کے مطابق کر لیا ہے۔

(۳) ص ۴۲/۷۵: ہمارے نسخے کا دوسرا رقعہ (ص ۱۱/۱۳) ہے۔ رسم خط کی اصلاح کر لی ہے۔ مگر "نواب صاحب نے کر لیں ہیں" (بعینہ)۔ یہ فقرہ خارج ہو گیا: "ایک میرے واسطے ایک بھائی ضیاء الدین خاں کے واسطے"۔ اسی طرح لفظ "مگر" خارج ہو کر یوں: "یہ یاد رہے...." "آخر میں" زیادہ زیادہ فقط"۔ یہ فقط ہمارے نسخے میں نہیں۔ اس کے بعد کا رقعہ جو ہمارے نسخے ص ۱۳/۱۴ میں قلمزد ہو چکا تھا ضیاء نے نہیں لیا۔ پھر ص ۱۴ میں جو الفاظ و عبارات قلمزد ہیں انہیں بھی چھوڑ دیا ہے اور ص ۱۴ س ۲ سے جو رقعہ شروع ہوا ہے اس کی صورت یہ ہے: "سید صاحب تمہارے بھائی نے سخت شمش بکھ نعل ڈر آتش کر رکھا ہے۔۔۔ الی آخرہ

ص ۱۵ س ۹: سال رستاغیر* ۱۲۷۸

— س اخیر: "۱۵ دسمبر"۔ ضیا: "۱۵ ستمبر" جو صحیح نہیں ہو سکتا اس لیے کہ عود خط کے آخر میں تاریخ "صبح جمعہ ۶ جمادی الاول ۲ دسمبر سال ۱۲۷۸" لکھی ہے (دونوں نسخوں میں)

ص ۱۶ س ۵: "مردود و مطرود محروم و مغموم" کی جگہ "مردود و مطرود و محروم و مغموم" جو دخل سمجھا ہے۔ (ہمارے نسخے کے کاتب نے "و" لکھا تھا جو پھیل دیا گیا ہے)

— س ۱۱-۱۳: قلمزد عبارت حذف کر دی ہے اور لفظ "فقط" اور حاشیہ تاریخ لکھی، جایگی "کو چھوڑ دیا ہے"

ص ۱۷ س ۷-۸: "اما شد و اما الیہ راجعون کے بند کی عبارت (جو قلمزد ہے) حذف کر دی گئی ہے۔

* ببقارہ - [ع]

۴ اس لفظ میں سے تاریخی حساب [ص ۱۲۷۸ کا عدد دکھایا ہے]

الحسنہ ۱۵۱۰

حواشی

از

مالک رام

[سراج و منقحات]

- انشاء اردو محترم (۱۰۰ عدد) (۲) مرتبہ برہنہ ضیاء الدین خان (طبع فیض امی، دلی ۱۸۶۶ء)
 خطوط غالب (طبع اہل) (۱۰۰ خطوط) (۱) مرتبہ میرٹھ پرشاہ و عبد الستار صدیقی (الکاباد ۱۹۳۱ء)
 خطوط غالب (طبع دوم) (۱۰۰ خطوط) (۲) ایضاً و مالک رام (سرگودھا قومی پریس، لکھنؤ ۱۹۶۲ء)
 اردو سے سنی (۱۰۰ م) از غالب (مشیخ مبارک علی، لاہور ۱۹۶۲ء)
 کلیات غزلیات (۱۰۰ نظریات، از غالب (نوٹکشر، کانپور ۱۸۷۵ء)
 دیوان غالب اردو (۱۰۰ دیوان) مرتبہ مالک رام (صدی ایٹھویں، دلی ۱۹۶۹ء)
 یادگار غالب (۱۰۰ یادگار) از حاتی (مکتبہ جامی، نئی دلی ۱۹۷۱ء)
 ذکر غالب (۱۰۰ ذکر) از مالک رام (طبع چہارم، نئی دلی ۱۹۶۳ء)

مترجمین و سلاطین

۱ ۱ یہ دیباچہ غالب نے خاص اسی مجموعے کے لیے تالیف کیا تھا اور ان کی کسی اور کتاب میں شامل نہیں ہوا۔

۲ ۲ میکھوڈ صاحب، سر ڈونڈ فرانسس میکھوڈ، لغت جرنیل ڈکن میکھوڈ (۱۸۵۵ء) کے بیٹے ۶ مئی ۱۸۱۰ء کو گلگتے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم انگلستان میں پائی۔ ۱۸۳۸ء کے آخر میں واپس ہندوستان گئے۔ پہلے بنگال اور بعد کو وسط ہند میں تعینات رہے۔

ص ص ۱۸۳۹ میں پنجاب کے الحاق پر وہاں تقرری ہو گئی۔ مختلف عہدوں سے جہتے ہوئے بالآخر ۱۸۹۵ء میں پنجاب کے لفسٹ گورنر بنادے گئے۔ ۱۸۷۰ء میں ملازم سے سبکدوش ہونے پر انگلستان چلے گئے، جہاں دو سال بعد ایک ریل کے حادثے میں ۲۸ نومبر ۱۸۷۲ء کو لندن میں انتقال ہو گیا۔ کنسل گریں کے قبرستان میں مدفون ہیں، اس سے معلوم ہوگا کہ وہ اس زمانے میں فنانس کشر نہیں تھے۔ یہ گتھی کیونکر سلجھ سکتی ہے؟

۵ ۲ نصرالد بیگ خاں۔ غالب کے چچا۔ ان کا ۱۸۰۶ء میں انتقال ہوا۔ دراصل انھیں کی خدمات تھیں جن کے جلدوں میں غالب کو پنشن اور خلعت وغیرہ ملا (ان کے حالات کے لیے دیکھیے، ذکر (طبع چہارم) ص ۲۸-۳۰)

۱۰ لارڈ الن براہادر = ہندوستان کے گورنر جنرل ۱۸۳۲ تا ۱۸۳۴ء۔ غالب کے مہربان اور سرپرست؛ انھیں بہت پارچہ خلعت اور عین رقم جواہر کا اعزاز لارڈ الن براہادی کے عہد میں ملا تھا۔

۱۳ کوئٹس پوٹ (Queen's Poet) ملکہ مظفر کا شاعر۔ ملک الشعراء۔

۳-۱ ۳ یہ تین شعر کا قطعہ بھی غالب نے اسی مجموعے کے لیے کہا ہے اور ان کے کسی اور مجموعہ کلام میں نہیں چھپا تھا۔

۴ پہلا دریا چہرہ۔ یہ نثری تحریر اردو سے مٹی میں شامل ہے، جہاں اس کا عنوان ہے: تقریظیہ کو بر کتاب گلزار سرور من تصنیف میرزا رجب علی بیگ صاحب سرور نگار ششہ اندہ۔

۹ رجب علی بیگ سرور = ولادت تقریباً ۱۳۰۰ھ (۱۷۸۵-۱۷۸۶ء) شاگرد آغا نازخ حسین خاں عرت مرزا غانی، نولاش۔ لیکن شاعر کی حیثیت سے ان کا کوئی

مقام نہیں، ان کی اہمیت ان کی تشریح تصانیف کے باعث ہے۔ ان کی کتاب "فسانہ عجائب" اردو کے کلاسیکی ادب میں خاص پایے اور شہرت کی مالک ہے اس کے علاوہ ان کی تصانیف میں سرود سلطان (ترجمہ خمیر خانی) شکوہ محبت، مشہد ان سرود (الف لیلہ)، فسانہ عبرت، گلزار سرود (ترجمہ حدائق العشاق)، شرر عشق، انشائے سرود (مکاتیب) ہیں۔ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں انتقال ہوا۔

۱۰۔ حدائق العشاق۔ یہ کتاب ملا رضى خلت محمد شفیع کی فارسی تصنیف ہے جس میں تمثیلی انداز میں انسان جذبات کا ذکر ہے جنہیں افسانے کے کردار کی شکل میں دی گئی ہے۔ گلزار سرود اسی کا ترجمہ ہے۔

۳ ۱۳ م: کیسا (کیا صحیح ہے) میں کتابت کی غلطی ہے۔

۲ ۱۵ یہ دونوں شعرا اس قطعے کے ہیں، جو اردو دیوان غالب میں بعنوان "گلزارِ مصنف" بظہورِ شاہ شامل ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دیوان میں دونوں شعروں کے شعرا

ثانی میں "ایک" کی جگہ "میری" لکھا ہے یعنی ہے زبان میری تیغ جو ہر دار لہ ہے قلم میری ایو گو ہر بار یہاں میرزا نے حب ضرورت قلم کرلی ہے۔

۱ م: بزم کے احرام (بہو کتابت) کا صحیح ہے۔

م: مجھ کو (انشائی غالب میں سب جگہ "مجھ کو" تصنیف (اسے ہوز) لکھا ہے۔ اور دوسری جگہ بالعموم "مجھ کو"۔

۲ فسانہ عجائب۔ اردو کے افسانوی ادب کی مشہور کتاب ہے؛ ۱۲۴۰ء میں نکل ہوئی تھی۔ یہ پہلی مرتبہ ۱۲۵۹ء میں مطبع حسن، لکھنؤ میں چھپی۔

۲ م: ملایا، یہ وہ تخریب ہے۔

۶ م: کھینچ کر (یہی درست ہے)

۸۔۷ ہماراچہ ایسری پر سادو ناراین سنگھ: بندس کے قریب ایک گاؤں اتریہ کے
 پہنے دے قدیم برہمن خاندان کے نام لیا تھا۔ اس خاندان میں سب سے پہلے
 جن صاحب کو فہرت حاصل، ان کا نام منارام تھا۔ وہ نواب وزیر اندھ کے
 عامل بندس کے صاحب دسوخ مصاجوں میں تھے۔ اسی لیے انھیں مالے ہوئیں
 لاکھ سالانہ آمدنی کی جاگیر عطا ہوئی۔ ۱۷۴۰ میں ان کی وفات پر ان کا بیٹا
 بلونت سنگھ وارث ہوا۔ اس نے بہاد راست شاہ دلی (محمد شاہ) سے تعلقات
 قائم کر لیے جس پر محمد شاہ نے خوش ہو کر اسے راجا بہادر کا خطاب اور جو خیر
 بنارس اور چنار کے علاقے جاگیر میں عطا کیے۔ جب ۱۷۶۴ء میں بکسکی لڑائی
 ہوئی ہے، تو شاہ عالم اور شجاع الدولہ کے اہلکار پر بلونت سنگھ ان کے ساتھ تو
 رہا، لیکن اس نے انھیں فوجی امداد نہیں دی۔ انگریزوں نے فتح پوری کے بہادر کے
 دیے پر اپنی خوشنودی کے اظہار میں اس کا علاقہ مستقل کر دیا۔

بلونت سنگھ کا ۱۷۷۰ء میں انتقال ہو گیا۔ مشہور راجا جیت سنگھ جے انگریزوں
 نے موزوں کر دیا تھا اور اس کا نام داری ہیسٹنگز گورنر جنرل کے مقدمہ میں بھی لکھا
 ہے، بلونت سنگھ ہی کا وارث تھا۔ جیت سنگھ کی موزوں کے بعد بندس کی گدی بلونت
 سنگھ کے نواسے جیپ نرائن سنگھ کو ملی اور اس کے بعد اودت نرائن سنگھ حکمران بنے۔
 ایسری پر شاہ ناراین سنگھ انھیں اودت نرائن سنگھ کے بجائے اور وارث تھے
 ۱۸۳۵ء میں گدی پر بیٹھے۔ ان کا دور حکومت اپنی کارگزاریوں کے بہت
 خاندانوں پر۔ وہ انگریزوں سے تابعدار تھے۔ مغربی تہذیب و تمدن سے متعلق بھی
 ان کی واقفیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس کے باوجود انھوں نے اپنی ریاست
 کا انتظام اس عمدگی سے کیا کہ ان کے تمام ہمسفر مورخ۔ انگریز اور ہندوستانی

ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ وہ اپنی رعایا میں بھی بہت ہر دھڑکتے تھے اور دوسری دسی ریاستوں کے حکمران بھی انھیں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے جنگوں میں انگریزوں کی مدد کرنے کے باعث یا اس کے بعد لارڈ کیننگ فائسلر سے انھیں "ہمارا جہاد" خطاب اور جی سی ایس آئی کا اعزاز عطا فرمایا۔ وہ علم و ادب اور فنی لطیفہ کے بہت بڑے سرپرست تھے ۵۴ برس کے طویل اور قابل تعریف دور حکومت کے بعد ۱۳ جون ۱۸۸۹ء کو انتقال کیا۔

- ۹ م: طرہ ہے (”ہے“ نایب ہے اور غیر ضروری)
- ۸ د: دیاجہ دوسرا یہ بھی اردو سے معنی میں شامل ہے اور اس کا عنوان ہے "دیاجہ کو برکت خواجه بدالدین خاں عرف خواجہ امان موم" بہ صافی انظار نگاشتہ اند
- ۱۲ م: تو ہم اس صحت میں کیہ کرکیں
- ۱۳ م: بصرت و لفریب کی نگارگی سے (ہو کتابت) صبح: بصرت و لفریب کے نگارگی
- ۶ ۲ م: پہلے طالع ہوا (ہو کتابت)
- ۳ م: کسی نے نہ دیکھا نہ سنا (ہو کتابت)
- م: خود مند (ہو کتابت)
- ۸ م: قال سے پہلے "تو" غائب (ہو کتابت)
- ۱ ۴ م: تو "گویا" کی جگہ صرف "گو" (ہو کتابت)
- م: جبر (صبح جبر)
- ۲ م: موغلت پند (بدون عاطفہ غلط)

- ۲ م: افسانہ
- ۳ م: سچ یہ ہے (تو کے بغیر غلط)
- م: عمرو
- ۵ م: متحقی الدولہ (پہو کتابت)
- م: گویا بارغ ارم کو ہندوستان اٹھا لایا، اس نے ہستان خیال میں کچھ اور ہی تھا تا
و کھلایا (یاں عبارت سہو مقدم، موخر ہو گئی ہے) م میں 'ہی' بھی لاء ہے۔
- ۸ م: طلسم اور مسی
- ۱۰ م: عمرو
- ۱۲ خواجہ ہمدانی خاں عرف خواجہ امان دہلوی ان کا نام ہستان خیال کے ترجم
کی حیثیت سے مشہور ہے۔ ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) میں وفات پائی۔ قدر بگڑی
کی کہی ہوئی تاشخ ہے: آہ بدر آیا خوب گد میں
- ۱۳ م: نیر پوش ہے
- ۱۴ م: ستار کا جو خیال آیا ایسا بچایا کہ ...
- ۱۵ م: جو طبیعت آئی وہ تصویر کھینچی
- ۳۰ م: حیرت افزائیاں
- ۱۲ م: ٹھکانا۔ بھیتجا اور پیارا بھیتجا۔ تاچار۔
- ۱۳-۱۴ م: کچھ دہن آئی اس دیا چہ ے انجام کا پتہ اس کے اور کوئی نگ نظر نہ آیا
کہ عالم ادب ...
- ۱۵ م: شہر شاہی شمار (پہو کتابت)
- مصلحہ میں، کو، کا لفظ غالب کے قلم سے ہے

م: لکھے دیتا ہوں

۱ ۹ م: تنگ آ گیا ہوں (سہو کتابت)

م: میں دیا ہے کے غلطے پر تائید و التوفیق و صوفیہ رفیق

۲ اردو (۲): میں یہ خط ص ۷۱-۷۲ پر ممد ہے۔ وہاں اس سے پہلے غالب کا ایک

اور خط بھی ہے 'جو انشاء غالب میں شامل نہیں' یہ مقدم میں نقل کیا گیا ہے۔

خطوط (۱) میں یہ خط ص ۲۷۳-۲۷۵ پر ہے اور

خطوط (۲) میں ص ۳۲۶-۳۲۷ پر۔

۳ خطوط (۱) ' (۲) میں "تم کیا چاہتے ہو؟" کے بعد یہ عبارت تاید ہے:

مجتہد العصر کے مسودے کو اصلاح دے کر بھیج دیا۔ اب اور [کیا لکھوں]۔۔۔

۵ خطوط (۱) ' (۲) ' جو دعا لکھوں [تمہارا سامع مل گیا ہے! غلے کو کھیا کرو!]

مسودے کو کاغذ کو بار بار دیکھا کرو! پاؤ گے کیا؟ یعنی [تم کو وہ محمد شاہی ...

۵ خطوط (۱) ' (۲) "کہ" موجود نہیں

۶ اردو (۲): "برخوردار" موجود نہیں! پتہ کہنا

خطوط (۱) ' (۲): عافیت مطلوب ہے۔ [خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا! یہی خوش

ہوا۔ مسودہ بعد اصلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور

دعا کہنا! اور ہاں، حکیم میر اسحق علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا۔ لافزہ

سعادت مند! یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو! کیوں؟ [سچ کہو ...

۷ تحریر (کی) یہی طرز تھی۔ اصل مسودے میں لفظ "کی" بخط غالب ہے! اور یہ

سے اوپر لکھا ہے۔ ظاہر کا کتاب اسے لکھنا بھول گیا تھا۔

خطوط (۱) ' (۲) ' یا اللہ؟ ہائے، کیا اچھا فیوض ہے! جب تک یوں نہ لکھو

وہ خط ہی نہیں ہے۔

۱۰ خطوط (۱)؛ (۲) : قواعد کو اور وقت پر سوکوت رکھا ؛ اس اگر تھاری خوشنودی
 اسی طرح کی نگارش پر منحصر ہے، تو بھائی ساٹھ تین سطریں ویسی بھی میں نے
 لکھ دیں۔ کیا نماز قضا نہیں پڑھتے، اور وہ مقبول نہیں ہوتی ؟ خیر، ہم
 نے بھی وہ عبارت، جو مسودے کے ساتھ لکھی تھی، اب لکھ بھیجی۔ قصور
 معاف کرو، خضابہو [میر نصیر الدین ...

۱۳ اردو (۲) : دہپے

۱۰ سپتمبر : یہ اصل میں غالباً مولوی ضیاء الدین خان کی ہے؛ غالب نے ستمبر لکھا ہوگا۔

۵ یہ خط اردو (۲) ص ۷۳-۷۵؛ خطوط (۱) ص ۲۵۲-۲۵۳ اور خطوط (۲) ص
 ۳۰۵-۳۰۶ پر موجود ہے۔

۶ اردو سے نقل میں یہ خط اس طرح شروع ہوتا ہے : بھائی، کیا پوچھتے ہو ؟ کیا
 لکھوں ؟ قاطع برہان کے مستویں ... اس خط کے شروع کی سطر : ”تم تو...“
 پھر کیا قصہ ہے، ”صرف اسی جگہ ملتی ہیں اور ہمیں سے لے کر خطوط میں
 شامل کی گئی ہیں۔“

۱۱-۱۲ ”ایکسپریٹ... کے واسطے“ یہ جملہ اردو (۲) میں حذف کر دیا گیا ہے۔

۱۲ ”بھائی“ اصل مسودے میں غالب کے قلم سے ہے؛ اور لفظ ایک کے اوپر اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۳ ”تم کو“ ”خطوط“ میں (غالباً سہواً) چھپنے سے رہ گیا ہے۔

۱۴ اردو (۲) میں ”مگر“ حذف ہو گیا ہے

۸ خطوط : اس کو حاصل بالصدر (خوبن ساقط)

۱۳ ”فراموشی“ کے آخر میں ”ی“ اصل مسودے میں غالب نے اپنے ہاتھ سے اضافہ کی ہے؛

کاتب نے صرف ”فرا“ لکھا تھا۔

۳ خطوط میں یہ خط زیادہ زیادہ پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس کے بعد مزید یہ سطر لکھی جاتی ہیں:
پہلے حکیم میرا شرف علی کو دعا اور بیٹا پیدا ہونے کی مبارکباد۔ میاں، میں نے رات کو
اپنے عالم سرخوش میں تاریخی نام کا خیال کیا۔ قیر کا ظم دین کے بارہ سو پچتر ہوتے
ہیں۔ لیکن یہ اسم بھی مانند لفظ ہمایوش نکمال سے باہر ہے۔

چونکہ یہ عبارت انشائی قالب میں نہیں تھی، اس لیے مولوی ضیاء الدین خاں کی ترجمہ
(نشاء اردو (۲) سے بھی غائب ہے، جو اسی پر مبنی ہے۔ البتہ انھوں نے ’زیادہ‘
زیادہ کے بعد فقط، فقط، اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔

۵ اردو (۲) میں یہ رقم نہیں پھیلے۔ خطوط میں متنی جوں کا توں ہے۔ ’م‘ سے
اختلاف کے لیے دیکھیے حواشی خطوط

۱۳ ۲ یہ خط اردو (۲) : ۷۵-۷۶؛ خطوط (۱) : ۷۷؛ خطوط (۲) : ۳۲۸-۳۲۹ پر ملتا ہے۔

۳ سید صاحب کے بعد ”اچھا ڈگھوسلا نکالا ہے... گزرتا رہیں“۔ پوری عبارت اردو (۲)
میں حذف کردی گئی ہے۔

م ۱ ڈگھوسلا؛ خطوط : ڈگھوسلا۔

۶ خطوط : سادات کا متفقہ ہوں۔ (یعنی ”ہوں“ زاید ملتا ہے)

۸ اردو (۲) میں سید صاحب کے بعد خط یہاں سے شروع ہوتا ہے۔

سودے میں فعل در آتش پر شاربے کا نشان دے کر نیچے ملیے میں اس کے

معنی ”بہ قرار“ دیے ہیں۔ یہی شکل اردو (۲) میں بھی ہے۔ بگوان غالب

سودے میں یہ اضافہ مولوی ضیاء الدین خاں کا تلمی ہے۔

۹ خطوط : بعد محرم کے

- ۱۲ خطوط : او پہلے تو مجملہ سنو
- ۱۵ خطوط : کرج اکیسواں دن ہے
- ۲ ۱۳ اردو (۲) : خطوط : جگنو
- ۵ سوسے میں لفظ "غلہ" غالب کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ خطوط میں اس کی جگہ "اناج" ہے
- ۹ لفظ "رستاخیز" پر ستارے کا نشان بنا کر ماضیہ لکھا ہے : اس لفظ سے ابجد کے حساب سے ۱۲۷۸ کا عدد نکلتا ہے۔ یہ غالب مولوی ضیاء الدین خان کا لکھا ہوا ہے۔ اردو (۲) : تاریخی حساب (پہلے ابجد کے حساب)۔ بنگالی غالب خط کے آخر میں (رستاخیز کے بعد) ۱۲۷۸ ابجدی مولوی ضیاء الدین خان ہی نے اضافہ کر لیا ہے۔
- ۱۰ یہ رقم اردو (۲) : ۷۶-۷۷ : خطوط (۱) : ۲۵۸-۲۵۹ : خطوط (۲) : ۳۱۰-۳۱۱ پر ملتا ہے۔
- ۱۰ اردو (۲) : ۱۵ پشیمیر (دسمبر صحیح ہوگا)
- ۲ ۱۵ اردو (۲) : ڈوجا
- ۳ خطوط : چار معدوم محض ہیں، جو باقی سب (صحیح متن وہی ہے جو اشفاق غالب میں ہے یعنی "چار معدوم محض" تین جو باقی سب "یہی اردو (۲) میں ہے
- ۵ اردو (۲) : دونوں کو
- ۸ اردو (۲) : مطرود و محروم
- سطر کا آخری لفظ "نظم" سوسے میں غالب کے قلم سے ہے۔ یہ اردو (۲) اردو خطوط میں نہیں ملتا۔
- ۱۱ اردو (۲) و خطوط : چڑھنا

۱۳-۱۲ مجتہد العصر... مرقوم تک (قلزہ عبارت) اردو (۲) میں نہیں چھپی ہے۔ بلکہ چلے جاؤ (س ۱۲) کے بعد لفظ " فقط " کا اضافہ کے خط میں ختم کر دیا گیا ہے حاشیے کے الفاظ: " تاریخ لکھی جائے " غالب کے قلم سے نہیں۔ بظاہر یہ ہدایت مولوی ضیاء الدین خان کی طرف سے اردو (۲) میں قلزہ معنون نہیں ملتا، اور آخری تاریخ کے الفاظ موجود ہیں۔

۱ ۱۶ اس رقعے کے لیے دیکھیے: اردو (۲): ۷۷-۷۸؛ خطوط (۱): ۲۸۲-۲۸۳؛ خطوط (۲): ۳۳۳-۳۳۴

۲ لفظ "نظم" اردو (۲) میں نہیں ملتا۔

۵ تفضل حسین کے اوپر لفظ "خان" غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اردو (۲) میں:

۴ اردو (۲): خطوط - دونوں جگہ "جمعے"

۹-۸ قلزہ عبارت، اردو (۲) میں شائع نہیں ہوئی ہے

۹ 'خطوط' میں اس خط کا بقیہ خاصا طویل حصہ دیکھا جاسکتا ہے۔ جس میں صرف الود کے بلکہ پیشانیے کے حالات بھی درج کیے ہیں۔

۱۰ اس رقعے کے لیے دیکھیے: اردو (۲): ۷۸-۷۹؛ خطوط (۱): ۲۶۴؛

خطوط (۲): ۳۱۵-۳۱۶

۱۳ اردو (۲): اب کی بار

۱۷ ۳ مجتہد العصر کا قلزہ لفظ اردو (۲) میں نہیں چھپا ہے۔

۵ اردو (۲): دونو

۸ اردو (۲): ۷۹-۸۰؛ خطوط (۱): ۲۸۰-۲۸۱؛ خطوط (۲): ۳۳۱-۳۳۲ میں

یہ رقم چھپا ہے "خطوط" میں لفظ "برسات" سے چلے بہت طویل خط لگتا ہے جو یہاں خط
کر دیا گیا ہے۔

۹ خدا کا قہر (قلزہ الفاظ) اردو (۲) میں نہیں ملے۔

۱۰ اردو (۲) : کثرت

۱۸ ۲ 'حال کی فکر' میں لفظ 'تکو' غالب کے قلم سے اضافہ ہوا ہے

اردو (۲) : آوارگی کا طول ؛ خطوط : آوارگی ، لال (لال غالباً بہتر طول سے ؛
طول کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے)

۵ اردو (۲) : ہانا جا

۱۰، ۸ لفظ (نظم، نہ اردو (۲) میں ہے ، نہ خطوط میں۔ اردو (۲) میں اس کی جگہ نشان ۵
ہے ؛ اور خطوط میں کوئی (:))

۱۰ قلزہ مجتہد العصر اردو (۲) میں نہیں ہے

۱۳-۱۱ "ا ا ا ا ... دعا کہنا" اردو (۲) میں نہیں ؛ اس میں رقم لفظ دعا پر ختم ہو جاتا ہے۔

۱۳ اردو (۲) میں تاریخ ہے : صبح جمعہ ۲۶ ستمبر (سال کے بغیر)

۱۹ ۱ یہ خط اردو (۲) میں نہیں لیا گیا۔ خطوط (۱) : ۲۵۹-۲۶۰ اور خطوط (۲) : ۱۱-۱۲
میں موجود ہے۔

۱۵ ۴ "آگ تاپتا جاتا ہوں۔" یہاں لفظ "جاتا" ، مسودے میں غالب کا لکھا ہوا ہے۔

۶ "تو اجد ہم پہنچا کے بعد خطوط" میں یہ الفاظ ناپید ہیں ، ساقی کوڑکا بندہ اور تشہب !
ہلے غضب ! ہلے غضب ۔

۸ "بہادر" کا لفظ مسودے میں غالب کے قلم سے ہے

۱۰ "دوبارگی فرد" میں لفظ "دوبارگی" مسودے میں غالب کے لکھے ہوئے ہیں

۱۱ 'نظم' لفظ سودے میں غالب کے قلم سے ہے، یہ لفظ خطوط میں نہیں چھپا ہے۔

۲۰ ۵ اس رقبے کے لیے دیکھیے: اردو (۲): ۸۰-۸۱؛ خطوط (۱): ۲۸۴-۲۸۵؛ خطوط (۲)

۳۳۵-۳۳۴ اس خط سے متعلق قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ کسی اور مجموعے میں موجود نہیں صرف اس انتشارے غالب ہی میں ملا ہے؛ اور میں سے لے کر 'خطوط' میں شامل کیا گیا ہے۔

۶ 'طرزہ لفظ' برعنوان "اردو (۲) میں موجود نہیں ہے

۱۱ اردو (۲): کوٹا

۱۲ اردو (۲): راجا

۱۳ اردو (۲): آگے

۱۴ اردو (۲): ڈھونڈ

۲۱ ۵-۴ 'نظم' اور اس کے بعد کا شعر اردو (۲) میں نہیں ملے

۷ مرتب اردو (۲) نے غالب سے پہلے لفظ "نظم" اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔

۸ اس رقبے کے لیے دیکھیے: اردو (۲): ۸۱-۸۲؛ خطوط (۱): ۲۹۷-۲۹۸؛

خطوط (۲): ۳۱۸-۳۱۹

۹ ۱۱ 'نظم' نظم، کی جگہ اردو (۲) میں نشان سے اور خطوط میں کولن (:) ملا ہے۔

سودے میں (س ۹) یہ غالب کا اپنے ہاتھ سے اضافہ ہے۔

۱۰ ۱۱ خطوط: اسے میر جہدی سمجھتے شرم نہیں آتی

۱۲ ۱۳ خطوط: تو کس... کرتا ہے

۱۴ "خطوط" میں "موجود ہیں" کے بعد بھی طویل عبارت ملتی ہے، جو یہاں حذف کر دی

گئی ہے۔ اس میں دلی کی تباہی اور دہاں کے باشندوں کی مشکلات اور مصیبتیں

کا تذکرہ ہے، جو بظاہر اس کے حذف کیے جانے کا باعث ثابت ہوا۔ جو کتب

افسرانِ فوج کے نصاب کے لیے مرتب کی جا رہی تھی، اس میں ان باتوں کی شمولیت تکمیل بھی تھی۔

۲۲ ۲ خطوط : اسے بنیۂ خدا

۳ خطوط : دلی، دامت، اب خیر نہیں ہے۔ سودے میں لفظ ”کپ“ ہے (بزنس غصہ)

اردو (۲) : ”کپ“ اردو (۲) میں لفظ ”فقط“ کا اضافہ آخر میں کیا گیا ہے۔

”خطوط“ میں اس کے بعد بھی تین چار سطریں ہیں اور جب خط مکمل ہوتا ہے

۳ یہ لفظ سودے کے کاتب کی بدحواسی کا منظر ہے ؛ لفظ ”رقعہ“ کی جگہ ”قلعہ“ لکھ گیا

یہ رقعہ اردو (۲) : ۸۲-۸۳ ؛ خطوط (۱) : ۲۷۲ ؛ خطوط (۲) : ۳۲۳-۳۲۴

میں ملتا ہے۔

۱۰ اردو (۲) : عقیدے

۱۱ اردو (۲) : روپے

۱۵ اردو (۲) میں ”دلی کہتا ہے“ کے بعد الفاظ ”فقط“ غالب کا اضافہ کر کے خط

ختم کیا گیا ہے۔ لیکن خطوط میں اس کے بعد بھی بہت سی عبارت موجود ہے، جو

وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

۔ اس خط کے بعد کی اس سودے کی کوئی تحریر اردو (۲) میں شامل نہیں ہے۔

۱۲ یہ لفظ ”نقل غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

یہ نقل غالب کی کسی اور کتاب یا کسی اور ماخذ میں نہیں ملتی

۸ لفظ ”لطیفہ“ بھی غالب کا لکھا ہوا ہے۔

ہیں بات غالب نے ”دستبنو“ میں بھی لکھی ہے (دیکھیے، کلیاتِ نثر

غالب : ۳۸۸)

غالب نے یہ واقعہ مستثنیٰ میں بھی بیان کیا ہے، اگرچہ وہاں بہت اختصار سے کام لیا ہے (کلیاتِ نثر غالب: ۳۹۶)۔ یہی واقعہ مولانا حالی نے بھی تقلید کیا ہے (ریا دگار: ۵۰-۵۱) لیکن دونوں میں کچھ تفاوت ہے۔ میرزا نے یہاں لکھا ہے کہ بچے میں سارجنٹ (سرمجن) نے ان سے پوچھا تھا: دل، تم مسلمان!، حالی نے اسے خود کرنل بلک سے منسوب کیا ہے۔ جیسا کہ خود حالی نے لکھا ہے، انھوں نے یہ بات کسی سے سن کر لکھی تھی۔ غالب کا اپنا بیان قابلِ ترمیم ہے۔

صحیح نام برن (Burns) ہے (دیکھیے نوک: ۱۲۲)

مسودے میں ”قرب کر کے“ میں الفاظ ”کر کے“ غالب کے ہاتھ سے لکھے گئے ہیں۔ اس آگے کا قب نے لکھا تھا: ”بات بنا کر“ غالب نے اپنے ہاتھ سے ”کر کے“ بنا دیا ہے۔

مسودے میں مصرعِ اولیٰ میں لفظ ”عشق“ غالب کا لکھا ہوا ہے

دیوان: ادن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق

مسودے میں مصرعِ ثانی میں لفظ ”پیالہ“ تکرار کر کے اس کی جگہ ”گلاس“ خود غالب کا لکھا ہوا ہے۔ دیوان میں ”اس کے باوجود“ ”پیالہ“ ہی تھا ہے۔

دیوان: ہاتھ (آج تک غالب کی اپنی جتنی تحریریں دستیاب ہوئی ہیں، ان میں سب جگہ یہ لفظ ”ہات“ بدولت ہاے ہوز لکھا ہے)

دیوان: زمانہ

دیوان: اک

مسودے میں یہ لفظ ”خاترہ“ خود غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

عکس
خطی نسخہ

مرتبہ
میرزا غالب

آپ رسیدہ ہونے کی وجہ سے خطوط کے بعض اوراق پر روشنائی
بھیل گئی ہے۔ ان کے عکس مطابق اصل ہیں۔ ایسے طباعت کی
غرابی نہ سمجھا جائے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

بد کتاب جو دو باب کی ہے حقیقت یہ اس کتاب کی ہی کہ پہلی
 باب بن دو دیباچہ اور کئی مکتوب ہیں اگر میری مکتبی ہوئی نہ ہوتی تو
 میں کہتا کہ بہت خوب ہیں دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام
 اسی خاکسار کا ہی مگر کوئی خطا اور دو زبان میں لکب جاسی اور اشعار
 میں بھی شعر محفل و مقام کی مناسب درج کیا جاسی اور یہ مجھ و نذر رس
 جناب رفعت آج کی ہی جیسے عفت و توقیر قنقن شکر شکر ہی بچا
 خاتمہ طایفہ ان علم و اہل علم کی خدمت میں
 نہ بجا نہ روزگار کا خیرکام طبع و محکوم ہوا ہوں

اہل ہند کو سدا یہ غزوہ اختصار و الاچار عالی رتبہ علی الناحیہ
 خاک رفت مکوڑ صاحب محارہ و غنائش کش شہید و صاحب
 پس یہ کتاب اگر اونکی حکم سسی چالی جاگی قوصا جات مانہ
 ولایت کی پڑھنی کے کام آگئی اس کتاب کا تکرار فریاد الا جہ
 خبر کی قبول ہو چکا اس لیے نصر اسد بیک خان بھادر رئیس
 سون کا ہتھیار موسوم بہ اسد اسد خان و تخلص بہ غالب ہے
 میری چپاکی سرداری اور ریاست کا حال اور گورنٹ بھاد
 اعلیٰ سسی خاص میری ملازمت اور نذر اور خلعت کی کیفیت
 گورنٹ اعلیٰ کے دفتر میں مرقوم ہے اور میری قصیدہ کا جفا
 مستطاب لاد و التند برابھادر کی فریدی سسی وزیر اعظم کی پاب
 پہنچتا اور حضرت قدر قدرت شہنشاہ بھر ویر علی معظم شہزاد
 حضور پر نورین گزنا از روی شہادہ خطوط اسد ولایت پور
 ملک ولایت سیانی میں گورنٹ بھادور منہ سنا و سنا
 ایستہ میں اسکا مستحق تھیں کہ گورنٹ گنہ جانہ و صاحب
 صوفی ایک نیانہم اور نچہ عزت باؤن اگر قید نہیں لیا

زمرہ آرد وین اور ہی آہنگ سید تواریخ میں جو دیکھو جو تم سے
 سنکر دن برس پہلی آتھ ہوا تھا نہ وہ داستان میں وہ کچھ نہ
 کہ کہیں کی غینہ دیکھا ہوا نہ سنا ہو چہ خرد مندان بیدار خضر تواریخ
 کی طرف بالطبع قائل ہو گئی لیکن قصہ کہانی کی ذوق بخشی نشاۃ الکریم کی
 بھی دل میں قائل ہو گئی کیا تواریخ میں مستح توقع حکایت نہیں بالمشافہ
 کوئی ہو یہ کچھ بات نہیں ساقم اپنی سوز کو بہاڑ پر پہلو ائی سیوا
 او سکوا اپنی گونسل میں او شالائی پر آتش کی پہلو ان بنانی او آ
 جوب و ضرب سکھاغی چہ جب ستم اسفند یا کن لڑائی کسی گجڑائی تو
 نال اوں اسم فی سبھی بھائی سیر گردان کو ہر کیطع صیثی کے نواز
 سنٹی ہی جلائی اور اپنی بیش کی ریشہ یا او رکشی اسی رستم کے
 زخم اچھی کو کیے ایک تیر و شاخہ یکتا ریف بجای صستم س برکی ہرین
 ست بائی کو جو کہ کی جہتیم بدو ر جوان ہو تو دیو سپید کو تہکا
 کی فرعون کا دعویٰ خدا کی مشہور ہی مشادہ مزد و کا بھی تواریخ میں لیا
 نکو رہی اگر اعلیٰ طبیعت ایک پہلو ان نہ بدست حمزہ دیکشہ رستم جیا
 قرار میں آہر ایک شہ و شاہ کر امدعی خدا کی کرنی والا مثل نر و و کھڑیز

نگویا ایک دم کو سلا نہ پایا ہی مگر پتہ چلایا ہی او نہیں روایات کا چہ با آفتاب
 گھوٹیا ۱۱ ٹھایا ہی موعظت و پند نہیں مژگنت غریبہ ہی تسبیح و اخبار نہیں
 جو نہان نہی و آستان طراز ہی منہ منان سخن ہے تسبیح تو یہی ہی کران
 پہونگی لمبی اچھا غرض ہے غم کیے عیار یکن و یکم عمرہ کی سید این داریان ایکو
 جاتے ہیں حکلا بخت کا کہ کسی سخنور را بران بھی کمزور و میر تقی میر ہی چند پرچون
 ابدول استخوان ہی آستین بوستان خیال میں کچھ اور نمٹا دکھلا یا گویا
 باغ ارم کو بندستان آتش لایا ادا کن قصص میں کسی ایک جلد ہی مغلزادہ
 داری بزم و بزم ہمسود طلسم حسن و عشق کی گرتی سنگام نہ خدائیں گی گم
 کش بیان اگر کہ نہیں تو میر جگر کی یہ صورت ہو کر اپنی صاحبزادی کو بوجھ
 بہرین اور کہیں پتا نہ پائیں ابوالحسن کے عیار کو کی جی جہر اگر دلیلیں تو خواجہ
 کو حیرت ہو کر زیر ہستی آئینہ کی کہیں یہ جانیں دینو یا میر انوار
 سعادت ہو مان خواجہ بد دلدین خان عرف غلامان کردہ ایک
 جوان شیریں بیان تیز ہوش اور ہر فن کے کمال کے تفصیل میں کھنچتا
 دست کو شہی سستار کا خیال جو تو با تو لب بجا یا زبان سین
 کو اٹھلے نہر نہا یا مصو ری کی طرف جو طبیعت آتی تو وہ مصو ر کی کھنچ کر اسکو

کہیں کہیں دیکھ کر مافی و ہزار کو حیرت آئی اور اس قیام آثار کا بہ
 ارادہ ہوا اور خاندان کی فارسی کے اردو کرنے پر آمادہ ہوا اور ان
 فیروز بخت کی شوکت ثانیان ابو الحسن جو ہر کی ہیرنگ ثانیان
 عجائبات حکیم قیاس کے جبر تفرانیان ملکہ نو بھار کی رتھیں لوانیان
 ہشت بدو بہت کی زور آزمائی ثانیان سارنگوس نموسس چیلان
 سسین و کفار کی ثانیان مسلمانوں کی جہولیان کافروں کے
 برائی ثانیان فارسی سی اردو میں لی آبا یون تصور کر دو کہ قدر واد
 ایک قصہ ملک یا ایک خانہ طوح افزا سہ سہ بنایا عبادت کی
 کو ترک کیا ہی گویا قزمیر کو ہیرا یہ تحریر دیا ہی بعد خستہ نام نکارش
 عاب ملک زدہ سی رہا جہ لکھنی کے آرزو کی جن فی چند عجز
 و معذرت الگیز گفتگو کی پیدا کرنی ایک بات نشی اور ایک
 ناما بنوا اس امر کا کیا علاج اور اس مسئلہ کا کیا حل کیا گیا تھا
 و بجز خاصہ فرسائی کچھ بن نہ آئی اسن بیا چکی انجام لاکوئی رنگ نظر
 نہ آیا عالم ارواح کو سید ہا چلا گیا اور حضرت غلامی سی ایک
 ملک لیا اور سی شعر شعری شاعر خاترین کھسید یا ہون بہت

خند و ہو گئی ہن شہر چپ چاپ نہ کہیں یہاں نہ اچھا ہی نہ سنگ
 لنگر کوئی مکان اوزار یا جاتا ہی نہ آہنی سرک آبی نہ کہیں نہ دریا
 وئی شہر خوشان ہی کاغذ بزرگوار رہتا رہی دھلی خوش کیو اصل کی
 اور ملکیت بکشتہ ، ہستہ

تو

بمانی تم تو رکون کی سنی باتیں کرتی ہو ، ہر امین نے مسوئتا ملکیت
 موجب تشویش تھا ساری تحریر سنی و تشویش رفع ہو گئی بہر تم کہن
 ہای و اور لا کرتے ہو اوپر کا حاکم ہا فوسہ و تحت کا حاکم جو مختلف متا گیا
 پر کیا قصہ ہی قاطع بران کی مسو و بایب بین فی ہمار و الی اسو اعلیٰ کہ
 ہر نظر میں اسکی صورت بدلتی گئی وہ تحریر باطل و مغشوش ہو گئی ان اسکی
 نفیق صاف کہ سیر کی پہلج کی غلطی نہیں تو البصاحب نے کہیں میں کہ
 بری و اعلیٰ اکبر کا تھا اندیخان کی و اعلیٰ میری ملک کے جو کتاب کے ایک
 جلد بندہ جای تو بطریق مستند تک پہنچ دون کاغذ اسکی نقل کیو میرے
 کتابچہ کو پہنچ دیا اور یہی امر غیبہ جو تم واقع ہوگا اگر یہ یاد رہی کہ جو
 حسب اسکو دیکھیں گی وہ ہرگز نہ سمجھیں گی صف میان قاطع کی نام برجان نہیں

[illegible]

بالصدر کیون نہ بنائیں مستوحاصل بالمصدر فیمش اور طلبش جلی فیہا
 صیغہ امر فہمین سنی نکلا تھا الف اور ی کی کہنسی لایا فہمای تو بہنیں جو نکلا
 درست ہو کہیں فرمایش کو اسکا نظیر گمان کرنا وہ مصدر اصلی فارسی
 فرمودن ہی فرمایہ مندرج فرمایہ اصل مصدر فرمایش قلیہ و یوہ
 رقمہ

کھسارن سید زادہ آزادہ دلی کے عاقل ملو دہ وہی جوی ایدو
 بازار کی رہنمی والی حسیہ لکھنوی کے پیر الہی والی فعل میں مہر دارم نہ اکبر
 میں جیاوشدم نظام الدین منون کہان ذوق کہان مومن خان
 ایک آرزو سوخاوشکی دوسرا باب وہ بچہ وہ وہ ہوش نہ
 سخورہ بھی نہ سجدہ کس کی پرمیا پانی نای دلی دلی
 بہانین جای دلی ستہ صاحب پانی چھوکی رہیون بن الی
 بن احمد حسین خان ملہ سردار خان ولد دلاکھ خان اور ناما
 احمد حسین خان کی غلام حسین خان ولد صاحب ملک اسر شکر
 جال از روی تحقیق مشہور اور بفضل کلمہ قوم کیا ہی سناشکی ہی فرق
 کیا ہی احمد حسین کی عمر کیا ہی دیانت آتی کا کیا رنگ طبع کا

آجاتا ہی جس طرح پہلی چمک جاتی ہی رات کو کبھی کبھی تاری اگر دکھائی
 دیتی ہیں تو لوگ اونکو جگنوں سمجھ لیتے ہیں اندھیری راتوں میں
 چور و کٹی بنائی ہی کوئی دن نہیں کہ دو چار جگہ کے چور بیکہا حال نہ سنا
 جایی مبالغہ نہ سمجھنا ہزار نامکان گویے سنیکروں آدمی جا بجا وچکا
 گئی گلی گلی مذہبی بہہ رہی ہی تیرے مختصر وہ ان کال تھا کہ مینہ نہ برسنا پیدا
 ہوا یہ بن کال سے پانی ایسا پرساکہ بڑی ہوئی دانی بہ گئی جنہوں نے ہی
 نہیں بولا ہتا وہ بونی سسی رہ گئی کسں یاد آئی حال اسکی سو اکوئی نئی بات
 نہیں ہے جناب میر نصاحب کو دعا زبادہ کیا لکھوں شخصہ کیم مضر
 ۲۹ جولائی سال ۱۲۵۵ھ

بھائی گناہ چھٹی ہو کیا لکھوں و آپ کے سنی منہ کیئے سنگاموں پر تہی قلعہ
 پختہ تھی چوک مرورہ بازار مسجد جامع کا ہر ہفتہ سیر حینا کی ہر کے
 عرساں سید پہول قلعہ لنگا سیر پانچون باتن اب نہیں سیر کہہ دتی
 لہان لای لوی شہر قلعہ ہند میں اس نام کا تھا قلاب کو ریزہ زلزلہ
 ۱۰ دسمبر کو یہاں داخل ہو گئی دیکھتی کہاں اوڑھتی ہیں اور کیونکر دربار

ایک امن کی صورت نظر آئی کہا کہ اگر تو میری مہدی کے خط کا جواب لکھوں
 اور کے ناخوشی راہ کی محنت کشی شپ کی حرارت گری یک شہارت باہی کا
 عالم کثرت اندوہ و غم حال کے مستقبل کا خیال تباہی کا رنج گوارگی کا طوطا
 جو کچھ کہو وہ کہہ دیتا ہوں تمام عالم کا ایک عالم ہی سینتی دین کہ تو میری
 مبارک کو اختیار کیا ہوں ایک گروہ اختیار کیا ہے جو کا جیادہ ہے
 خلق کو دیا ہے سب کچھ اپنی قہر قدرت دین کہہ آؤ می کہ بہ نامہ
 کیا ہے تباری رفع مرض کا حال لکھ خدا کری شپ جاتی رہی ہو تندرستی
 حاصل ہو گئی ہو میری سب کچھ دین تندرستی ہزار نعمت ہی ہائی شپ
 مرزا قزاقی کیسے کیسے کیا خوب بہم پہنچا یا ہی عجیب بہت پسند آیا ہی
 نظم تنگہ سے اگر ہو سکے کہ تندرستی ہزار نعمت ہی ہائی شپ
 جناب میرے فرزند حسین صاحب کو دعا انا ما میرے فضل علی صاحب
 کہ ان دین حضرت یہاں تو اس نام کا کوئی آہی نہیں ہی لکھنے کی کچھ
 العصر کے پہاڑ کا نام میرے صاحب پہلا اوکھو ہا رب دعا کہ نہ ہی
 یہ سب میرے

قرنی ہجرت و کثرت میں ختم ہو گئی۔

سید احمد علی شاہ

[illegible]

ہوئی مرتبی میں خراج جلوہ سجود رنہ ناخوشی کے جاگتی اور تنہا کو افسردہ پانچا
 بہتر حال میں رضا صاحب کو بندہ عبادت پڑھوا دینا میرے حوالہ زمین کو
 دعا میرا لفظ الدین کو دھارے میں میرا کشتہ علی کو دھارے میں میرا کشتہ
 دھارے میں میرا کشتہ

تر

بھڑو وار تمہارا خط پہنچا مگر یہ غصہ ہے کہ میں اس کا جواب نہیں
 لکھ سکتا اور وہ جواب طلب ہے جواب کیا لکھوں قواعد علمدار کے
 برہم ہو گئے نئی نئی دستور میں شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب تمہیں
 فروری کو انبالی پہنچیں گی اہل دہلی کے ملازمت و مان ہوگی اب پہلے آواز
 بند ہی کہ فروری میں کھلتی سسی چینی کی خبر سسرال آباد اکیڑ آباد ہو گئی
 مہیج کو انبالی پہنچیں گی اہل دہلی پورہ کوڑہ میں راجہ اگر پہنچ گئی مان میر
 فرشتہ کی طرح بیکار و ہری ہوئی ہیں اور کی لکھ راجہ کو باؤسٹ ہیں ان کے
 خریدار دوڑتی بہرتی میں کوئی شہر کوئی کرانچی ڈھونڈو رہا ہی کوئی پناہ
 چل لکھ کسے مانگی کاٹھو بہم پہنچا یا یہ تب قس کی طرف اب بسنا نہیں
 کہ رہستان کی بھشتانی سب دیکھو کو لکھا ہی کہ لارڈ صاحب تب نہیں چاہتے

اسد اسد دلی خرسی اور دلی الی اتنگ بیابانی زبان کو اچھا کیے
جاتی ہیں وادری حسن اعتقاد اسی بندہ خدا اردو بازار نہ رہا بازار
کہان دلی شہر نہیں ہے کہ ہے چھادنی ہی شعلہ شہ نہ بازار

جمہ ۱۷ محرم ۲۶ جولائی سید صاحب کل بہون رہی تہا رخط
پہنچا یقین ہی کر او سوقت باشام کو میرے فراخین تہا ری کھا
پہنچ گئے ہوں حال سفر کا جو کچھ ہے اور کئی زبانی سن ہو گی میں
کیا لکھوں میں نے بھی جو کچھ سنایا اور نہیں سنی سنایا انکلام
نا کام پورا نامہ ری تہا اور میری مقصود کے خلاف ہی لیکن میرے
عقیدہ اور میری تصور کی مطابقت ہے میں جانتا تھا کہ وہ ان کچھ
نہو کا سورہہ کی زیر باری ناق جو ہی چوڑا بہ زیر باری میری بہرہ
پہ سوشی تو مجھے ہے شہ مساری ہی میں نے اسے چہا ست برس میں
اسطرح کے تہ مساریاں اور رہا بیان بہت اوشائی میں
جہان ہزار و باغ میں ایک ہزار ایک ہی میرے فراخین کے
زیر باد سے سی دل کرتا ہی

ایک مولوی صاحب شراکت نہ تھا کہ وہی انجمن بانی لکھا ہے
 بُرائی، حسین بیگم کے خلیفہ اسکی برادری کے نمائندگی آتی ہے
 نہیں قبول ہوتی میرے کہہا کہ مولوی صاحب آدمی شراکت
 چھکا کہ زمین بائین ہو سکتا ہے پہلی سند دینی پھر دوسری
 پھر خط جمعہ سے آپ انصاف کریں جب یہ زمینوں چھین جائیں
 اور جو وہ زمین بستی ہو کیا چھینا قی نہیں کر ان اسکی تمنا
 کری اور اس کے منہ سے دوسری خاکریں

مشتہدین جہ میر شہسوار پٹنم سوار اور ملک مالکین اور
 اور انہوں نے مشتہد پورہ صوبہ پہلے دیکھا تو وہی زمین
 "تاریخ تھی اور دیکھتے ہیں ان تمام افسانہ جہنم مشتہد
 میں ملی شہسوار پٹنم کو کہ بھارت کے ۱۱۰۰ چھ ہشتہد کا
 ساوہ ایک ہشتہد کے ہاں کہ بھارت کے ۱۱۰۰ چھ ہشتہد کو
 ملی کا جہان اور پھر ہشتہد کو بات آتا ہے کہ کہ ایک ہشتہد

فرمائی اسکے یوں تصور کرو کہ جب دن شکست کھائی اوسے دن
فتح پائی جیسے دیر نہ لگی ایک دن میں تدارک ہو گیا

نقل

عذر بکودنوں میں میں ہنسنے سے کسی نکلے نہ پھر ایک نہ میرے رو بکا
ہوئی جس مکان میں رہتا تھا وہیں جیتور بٹھارنا اور بٹھار کونے
محلے میں میرا گھر تھا گاہ ایک دن تائید سات گوری دیوار پر
چڑھ کی اوس شخص کو چچی میں اوتار آئی جہاں میں رہتا تھا اوس
کو چہن بہہ جہت ۵۰ یا ۶۰ آدمی کشتی ہو گئے سب کو گھر لیا اور
اپنی ساتھ لیجلی مگر گرفتار نہیں کیا اور کسیکو بھرت نہیں کیا
نہ ہی کسی لیجلی راہ میں سے نہ جن ہی آٹھ اوسنی مجھ صاحب مکان
بعد پوچھا کہ تم مسلمان ہو میں نے کہا کہ آو یا مسلمان ہوں اوسنی
کہا کہ اے صاحب آو یا مسلمان کہہ میں نے کہا شریع پتیا ہوں
ایم ہو کہ نہیں کہا تاغوض کہ وہ مجھے کرنل برودن صاحب کے پاس لیجلی
وہ چاند نے چوک حافظ قطب الدین کو آگے کے حویلی میں آدھ
ہوئی تھی باہر نقل آئی اور زیر اصراف نام پوچھا اور رہن سہن نام

شعر

مین بھی سبہ میں زبان رکھتا ہوں : دکاشن بوجھو کہ مدعا کیا ہے
تقصیر

پہر کھلا ہے درعدالت ناز : نازم بازار فوجدار جی ہے
سورما ہی جھان میں اندھیر : نازف کی پہر سہ نہ دار جی ہے
پہر دیا پارہ جبر نے سواں : ایک فریاد آہ و زاری ہے
پہر ہوئی بن گواہ حق طلب : انگٹاری کا حکم جاری ہے
دل و شرکان کا جو مقدمہ تھا : آج پہر ادا کی رو بکارتی ہے

شعر

ہوس دہشتی نہیں اور دل پہ ہر لحظہ : جیسے کہتے ہیں کہ مفت آئی تھال چہا

شعر

اوکی دیکھتی سی جو آجاتی یہ وہ تو نہیں پر : وہ نہجہتی ہیں کہ سائر کا حال چہا

شعر

پیون شراب اگر غم ہی دیکھ لیں چہا : ہر شے وضع و کردہ ہو سکیا

شعر

سینے ست میں غم گراتا تھا : دل بھی بید کی دہشتی ہویت

شعر

خاک کھینچ کر چڑھ لے کچھ ہو۔ دم تو عاشق میں چھاری نام کے
شعر

مخمر مہینے پہ جو جیکے امید۔ دنا امید دی اوسکے دیکھا چاہئے
شعر

جلادی راکس سی ساقی جی ^{تو} ہنگامہ گر نہیں دینا۔ دی شہر و تہ
شعر

گو نام کو جنبش نہیں آگئے ^{تو} نرہنی دو ابھی ساغر و مینا میری آ
شعر

کون ہی جو نہیں ہے ثابت۔ کن کی جارحہ بھارت کی کو
شعر

جو کی بین میں سید ٹٹکتی ہے۔ کیونکہ کہانی کو پہنچی بھارت کے
شعر

غالب پیرانہ جو عطا ہو گی۔ سناٹا بھی کوئی بی کر سید چھایا
شعر

و اعظمہ تہو پہ لکیر کو چھو۔ کیا ہستی بھاری شہر ملک کا

سکھیا لہن نی کج شریو جیو راجی مہو ॥ १ ॥

رویت دن گشتیوں میں زیارت اہل حق : دہرے چکر چکر کر کے

کہتی ہیں جب چہ ہی نہ بھلی بات سخن نہ جانوں کہ کسی کی انکی ہر کوئی خبر نہ

تیسری چیز یہ کہ نہیں ہی سارے ملک ہم + مسجد کا یا قلعہ کی زمین پر کبھی نہیں

میں نے ان کے غصے کو دیکھ لیا۔ خاک ہو یا نیکی یہ تو کچھ ہر وقت

فائدہ کی آئی آپ خط ایک کہہ کہان: میں جانتا ہوں جو وہ بھیجی ہو

وہ اسی گہر میں ہماری خدا کی دعا ہے کہ یہی ہم اور کو کہیں اپنی گہر کو دیکھیں

سجده خور بر او ان نوبت جا بجا شد: مشکین می پر شیرین استی که کائنات

شعر

سیکھی میں مدد کوئی نے چاہی ہے
 کیا خوب تھی جو کہ غم نہین دیا
 بے خبر چہ ہو چلا یہی غم میں

شعر

بہس میں کر دیتے ہیں جھوٹی اور
 کہنا ہی کیا یہ غم بدیہی نہیں دیتے

شعر

سایہ کی یک شہم کو آج نہ ہو
 ہر شب دیا ہی کر نے ہنسی ہر شب

شعر

خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ یہ مجھ کو غم نہ دیا
 مانگتا ہوں کہ یہ تحریر میری مرہی اور غم کے پسند آئی جسنی جانا کہ
 تیری اور مجھ کو ہن میں وہ کہ جتنی بدایت کا شکر گزارا ہر غایت کا
 امیدوار ہوں جب نام نامی اور نکادیا کہ کتاب میں مرقوم اور عالم
 میں جسٹ ہو رہی تو بار بار غم مت کا تاہلینہ وہ شب دودھی گھٹان خانہ
 میں یہ شعر لکھ دینا خواہ

جسٹنی این ہی جگہ تیرا حق نہ تھا
 نہ ہو گیا کہ نہ رہا بلکہ ہن ہو گیا

مقالاتِ ممتاز

ممتاز دانشور ڈاکٹر ممتاز حسن کے مقالات کا مجموعہ

مرتبہ

شان الحق حق

اردو ادب، عالمی ادب، تعلیم و ثقافت اور اقبالیات کے موضوع پر

چھپالیس مقالات کا مجموعہ۔ اس میں قائد اعظم، علامہ اقبال، مولانا ظفر علی

خان، ملک اشعر ابھارا اور بعض دیگر اکابر کے شخصی خاکے بھی شامل ہیں۔

☆ صفحات ۴۷۲ ☆ قیمت ایک سو پچاس روپے

ادارۃ یادگار غالب

کراچی۔ ۷۴۶۰۰

یادگار غالب

مولانا الطاف حسین حالی

”یادگار غالب“ اردو زبان کی زعمہ جلوچہ کتابوں میں سے ہے۔ اس کا شمار اردو کے ادب عالیہ میں ہوتا ہے۔ غالب شناسی کا نقطہ آغاز بھی یہی ہے۔ یہ غالب پر پہلی جامع کتاب ہی نہیں، غالبیات کے موضوع پر اب تک لکھی گئی سیکڑوں کتابوں میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا حالی، شاعری میں غالب کے شاگرد تھے اور ان سے ذاتی تعلقات کی بنا پر ان کی سوانح عمری لکھنے کے ہر لحاظ سے اہل تھے۔ لیکن یادگار غالب صرف سوانح عمری نہیں ہے، غالب کے اردو فارسی کلام نظم و نثر کا پہلا مبسوط جائزہ بھی ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۸۹۷ء میں جب غالب کی پیدائش کو پورے سو سال گزر چکے تھے، نئی پریس کانپور سے شائع ہوئی تھی۔ زیر نظر ایڈیشن اسی پہلے ایڈیشن کی نیکی بازیافت ہے جو غالب کے دو صد سالہ یوم پیدائش پر شائع کیا گیا ہے۔ گویا یہ ”یادگار غالب“ کا بھی صدی ایڈیشن ہے۔

☆ صفحات: ۴۵۶ ☆ قیمت: دو سو روپے

ادارۂ یادگار غالب

کراچی۔ ۷۴۶۰۰

انشائے غالب

”صاحبانِ تازہ وارد و اہمیت“ کی نصابی ضروریات کے لیے غالب نے اپنے کلامِ نظم و نثر کا ایک انتخاب ۱۸۶۶ء یا اس سے ایک آدھ برس پہلے مرتب کیا تھا اور اس کا ایک نسخہ اپنی گمرانی میں کتابت کرایا تھا۔ یہ نثری نسخہ مختلف ہاتھوں سے ۱۹۵۲ء تک عبد الستار صدیقی تک پہنچا۔ انھوں نے اس کا متن مرتب کیا اور حواشی لکھیں۔ مقدمہ لکھنے کی فوریّت نہ آئی تھی کہ وہ تیار ہو سکے۔ اس کے بعد مالک رام نے اس پر مقدمہ لکھا اور مزید حواشی قلم بند کیں۔ مگر اشاعت کی صورت پھر بھی پیدا نہ ہوئی۔ بالآخر اس سارے لوازمے کو رشید حسن خاں نے مرتب کیا اور عرض مرتب کے اضافے کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں ”انشائے غالب“ کے نام سے شائع کیا۔ کتاب کی اشاعت کے بعد خاں صاحب کو اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل ہوئیں اور انھوں نے ”عرض مرتب“ بہت سے اضافوں کے ساتھ از سر نو لکھی اور کتاب کا نیا ایڈیشن تیار کیا۔ یہی ایڈیشن پہلی مرتبہ دوبارہ یادگار غالب کراچی کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔

بقول مالک رام: ”اس کتاب کی خاص اہمیت یہ ہے کہ خطوط غالب کا پہلا مجموعہ ہے اور وہ بھی خود غالب کا مرتب کردہ۔ خود ہندی اور اردو سے متعلق دونوں حوالہ اول مجموعے بہت بعد ۱۸۶۸ء اور ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئے۔“

اس ایڈیشن کی یہ اہمیت بھی ہے کہ اس کی ترتیب و تدوین میں اردو کے تین ممتاز ترین محقق اور دانشور ’ڈاکٹر عبد الستار صدیقی‘، مالک رام اور رشید حسن خاں شریک ہیں۔

کتاب میں اصل خطوط کا نسخہ بھی شامل ہے۔

